ماہنامہ
خالد
ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

اَلْمُصْلِحُ الْمَوْعُوْدُ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ ربوہ

خالد

جلد ۱۵ — شمارہ ۷

ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ ۔ وفاھ ۱۳۴۸ ہش

جولائی سنہ ۱۹۶۹ء

مدیر اعلیٰ:- محمد اسلم شاد منگلا

مدیر:- حمید علی ظفر

نائبین:- منصور احمد خان ۔ عبد الکریم خالد

قیمت سالانہ:- چھ روپے ۔ قیمت فی پرچہ ۶۰ پیسے

احمد شفیق قیصر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ

دو نظام

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۱۶ ۵/۴۸ ھش کے خطبہ جمعہ میں نماز باجماعت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

"پس یہ نماز جو ہم مساجد میں جمع ہو کر ادا کرتے ہیں یہ اسی صلوٰۃ کی ظاہری شکل اور روح عبادات کا جسم ہے جو روح عبادت کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں قائم کرنا چاہتا ہے پس جہاں ہمیں روح کی ضرورت ہے وہاں جسم اور ظاہری شکل کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر میرے نزدیک روح کی موجودگی کا دعویٰ باطل ہے۔ ایک زندہ جماعت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی طرف منسوب ہونے والے صرف دعویٰ کے طور پر اور لفظاً اس کی طرف منسوب ہوں مگر حقیقتاً وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کریں جو اللہ تعالےٰ نے اپنی جماعت اور امتِ مسلمہ سے کئے ہیں اور جن کا پورا کرنا ضروری ہے یہ روحانی سستی ربوہ میں ہو یا باہر کی جماعتوں میں برداشت نہیں کرنی چاہیئے جب بھی ہمیں کسی جگہ ذرا سی سستی نظر آئے۔ ہمیں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ سارے محلہ کو اور سارے احمدیوں کو چوکس اور بیدار ہو کر اس سستی کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

حضور ایدہ اللہ کے اس ارشاد میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہمارے اندر روحِ عبادات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور روحِ عبادات کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم مساجد میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کر کے اس کی ظاہری شکل و صورت کو بھی قائم کریں۔ کیونکہ خدائے علیم و حکیم نے ہماری زندگی کو دو قسم کے نظام ودیعت فرمائے ہیں۔ ایک جسمانی نظام ہے تو دوسرا روحانی نظام۔ ہماری زندگی دراصل انہیں دو نظاموں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح جسم اور روح کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی طرح روحانی اور جسمانی نظام بھی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جسمانی نظام پر ذرا غور کیجئے۔ تو اس میں جسم مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس کے قیام کے لئے ہمارا جسمانی نظام حرکت میں آتا ہے۔ ہم کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں سوتے ہیں جسم کی حفاظت کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اسی نظام کے بالمقابل خدا تعالےٰ نے ہمارا روحانی نظام رکھا ہے اور روح کو زندہ رکھنے کے لئے ہمیں روحانی غذائیں عطا فرمائی ہیں۔ نماز۔ قرآن کریم۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ جو بھی عبادات ہیں روح کی غذائیں ہیں جن کے بغیر ہماری روح زندہ نہیں رہ سکتی۔

پس ہر وہ انسان جو اس دنیا میں اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی جنت میں داخل ہونے کا متمنّی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان ہر دو نظام کی پابندی کرے۔ اس استدلال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز ہماری زندگی کے لئے کتنی اہمیت کی حامل ہے۔ جس طرح ایک جسم بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح روح بھی بغیر نماز کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس نماز روحانی نظام کا لازمی جزو ہے۔

روح اور جسم کے اس حسین امتزاج سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روح عبادت جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم نماز کے جسم اور ظاہری شکل کو بھی باجماعت نماز کے ذریعہ قائم رکھیں۔ اور حضور ایدہ اللہ کے ارشاد کے مطابق باجماعت نماز ادا کرنے میں کبھی سستی نہ دکھائیں۔

پس ہم سب خدام کا فرض ہے کہ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں نماز باجماعت کا پورا پورا خیال رکھیں۔ اور ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ تاکہ ہمارا قدم آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے اور اسلام کا غلبہ جو خدا تعالیٰ نے احمدیت کے ذریعہ مقدر کیا ہے۔ قریب تر ہو جائے۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہے تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا۔ اور اس کے منصوبے کو توڑے گا تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا۔ کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے۔ اور ہلاک ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی۔ کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنے والا ہے۔ تو تم دنیا کے لئے ایسے بے خود کیوں ہوتے"

(کشتی نوح صفحہ ۳۰)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

معارف القرآن

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

ترجمہ :- اور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا۔ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہر ضروری چیز (یعنی تعلیم) ہم کو دی گئی ہے۔ یہ کھلا کھلا فضل ہے ؛

تفسیر :- منطق الطیر کی تشریح میں حضورؓ فرماتے ہیں۔ کہ مفسرین نے منطق الطیر کے یہ معنے کئے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبوتروں اور تیتروں اور چڑیوں اور بٹیروں وغیرہ کی زبان سکھائی گئی تھی۔ اور وہ ان کی بولی کو اسی طرح سمجھ لیتے تھے جس طرح ایک انسان کی گفتگو کو دوسرا انسان سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بلبل کو دیکھا کہ ایک شاخ پر بیٹھی ہوئی اپنی دُم اور سر ہلا کر کچھ بول رہی ہے۔ اس کی آواز سُنکر آپ نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے پوچھا۔ کہ تم جانتے ہو۔ یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں کیا علم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ یہ کہہ رہی ہے کہ دنیا کے سر میں خاک پڑے۔ مَیں نے تو آج صرف آدھی کھجور کھائی ہے۔ پھر فاختہ بولی تو آپ نے فرمایا۔ یہ کہتی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح مفسرین لکھتے ہیں۔ کہ حضرت سلیمانؑ فرمایا کرتے تھے کہ کبوتر کہتا ہے کہ مرنے کے واسطے اپنی اولادیں پیدا کرو۔ اور ویران ہونے کے لئے مکانات بناؤ۔ اور مور کہتا ہے کہ جو کچھ تو کرے گا اس کا بدلہ پائیگا اور ہُدہُد کہتا ہے کہ جو دوسرے پر رحم کرے گا۔ خدا اس پر رحم کرے گا۔ اور ابابیل کہتی ہے کہ نیک اعمال کو آگے بھیجو۔ تاکہ تم انہیں خدا کے پاس پاؤ۔ اور کبوتر کہتا ہے کہ سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى مِلْأَ سَمَآئِهٖ وَاَرْضِهٖ۔ اور قطاۃ کہتا ہے کہ جو خاموشی اختیار کرے گا۔ سلامت رہے گا۔ اور طوطا کہتا ہے کہ افسوس اس پر جس کا مقصود اور مطلوب دنیا ہے۔ اور مرغا کہتا ہے کہ اے غافلو! اللہ کو یاد کرو۔ اور مینڈک کہتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْقُدُّوْسِ۔ اور چڑیا کہتی ہے۔ اے گنہگارو استغفار کرو۔ اور چیل کہتی ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ یعنی خدا کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ غرض انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی کو خوب سمجھتے تھے۔ گو انہوں نے پرندوں میں مینڈک وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مگر یہ محض استعارے اور مجاز کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایسی ہی بات ہے جیسے قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ

یہ فرماتا ہے۔ کہ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ ع ۲۳) یعنی رمضان کے ایام میں سحری کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر نہ آنے لگے۔ مگر پنجاب میں بہت سے زمیندار رمضان کی راتوں میں سفید اور سیاہ دھاگا اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ اور چونکہ تاگا اچھی روشنی میں ہی نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ اس وقت تک خوب کھاتے پیتے رہتے ہیں جب تک انہیں سیاہ و سفید تاگا الگ الگ نظر نہ آنے لگے۔ اسی طرح تشبیہہ اور استعارہ کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں اگر خدا تعالےٰ کے ہاتھ کا ذکر آجائے۔ تو بعض لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا ہاتھ بھی نعوذ باللہ اسی طرح گوشت پوست کا ہے۔ جس طرح ہمارا ہے۔ اور اگر انہیں کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد خدا تعالےٰ کی طاقت ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ تم تاویلیں کرتے ہو۔ جب خدا نے ہاتھ کا لفظ استعمال کیا ہے تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم اس کی تاویل کرو۔ یا خدا تعالےٰ کے متعلق اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے الفاظ پڑھ لیں۔ تو جب تک وہ خدا تعالےٰ کو ایک سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھا ہوا تسلیم نہ کریں۔ انہیں چین ہی نہیں آئے گا۔ حالانکہ دنیا کی ہر زبان میں تشبیہہ اور استعارہ کا استعمال موجود ہے۔ ہمارے ملک میں محاورہ ہے کہ "آنکھ بیٹھ گئی"۔ مگر کوئی نہیں کہتا۔ کہ آنکھ کی ٹانگیں تھیں یا وہ بیٹھی ہے تو کس پلنگ اور کرسی پر بیٹھی ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ آنکھ بیٹھنے کے معنے یہ ہیں۔ کہ آنکھ ضائع ہو گئی۔ اور پھوٹ گئی۔ اسی طرح اور کئی قسم کے استعارات ہماری زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ ان استعارات کو زبان کی خوبی اور اس کا کمال سمجھا جاتا ہے۔

غرض جس طرح دنیا کی ہر زبان میں مجاز اور استعارات کا استعمال پایا جاتا ہے۔ اسی طرح الہامی کتابیں بھی ان استعارات کو استعمال کرتی ہیں۔ مگر وہ لوگ جو استعارہ اور مجاز کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ انہیں ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح خود بھی ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنتے ہیں۔

یہی حال منطق الطیر کا ہے مفسرین نے صرف طیر کے لفظ کو دیکھ کر خیال کر لیا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو امتیازی طور پر اللہ تعالےٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی۔ کہ انہیں تیتروں اور بٹیروں کی بولی بھی سکھا دی تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس بولی کے سکھانے کا فائدہ کیا تھا۔ یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ پرندے بھی بڑے بڑے علوم اور معارف جانتے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ نہیں چاہتا تھا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس علم سے محروم رہیں۔ اس لئے اس نے آپ کو ان کی زبان بھی سکھا دی۔ مگر پرندے تو ایک جاہل سے جاہل اور غبی سے غبی انسان جتنی بھی عقل نہیں رکھتے۔ پھر ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا علم سیکھنا تھا۔

پھر اگر ان کا دماغ واقعہ میں اتنا اعلیٰ ہوتا۔ کہ حضرت سلیمانؑ جیسے نبی کو بھی ان سے معارف اور علوم حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ تو شریعت ان کو ذبح کرنے کی اجازت کیوں دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہ دینا اور جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے۔ کہ یہ امتیاز صرف دماغ کے فرق کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اور ان کا دماغ تمام انسانی دماغ سے بھی ادنیٰ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کی زبان کس حکمت کے ماتحت سکھائی گئی تھی۔

پھر مفسرین صرف یہیں تک بس نہیں کرتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہُدہُد جو ایک پرندہ تھا وہ اتنی عقل اور سمجھ رکھتا تھا۔ کہ اس نے ملکہ سبا کی باتیں سمجھیں اس کے درباریوں کی باتیں سمجھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی باتیں سمجھیں۔ مگر ہُدہُد کی باتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ گویا ایک پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تمام درباری علماء اور فضلاء سے بھی بڑا تھا۔ کیونکہ وہ ان سب کی باتیں سمجھتا تھا۔ لیکن اس کی بات کو کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اور اگر کوئی سمجھتا تھا تو وہ صرف حضرت سلیمانؑ تھے۔ گویا اگر ہدہد سے کسی کو برابری حاصل تھی تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو تھی۔ باقی جتنے امراء اور وزراء تھے۔ وہ سب اُس "کھٹ بڑھئی" سے نیچے تھے۔ یہ اتنا احمقانہ نقشہ ہے۔ کہ اس کو ایک معمولی عقل والا انسان بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات مانی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پرندے انسان سے افضل ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ پرندوں کو ذبح کرنا جائز نہیں۔ ہاں انسان کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے۔ کیونکہ پرندے نعوذ باللہ انسان سے افضل ہیں۔ یہ تو "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" والی بات ہو گی۔ جس کو کوئی بھی معقول انسان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک استعارہ اور مجاز ہے جس کو لوگوں نے نہ سمجھا اور وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دور از کار بحثوں میں الجھ کر رہ گئے۔ طَیر عربی زبان میں اڑنے والی چیز کو کہتے ہیں اور استعارۃً اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور اس کے محبوب ہوتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک الہام بھی ان معنوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کو ایک دفعہ الہام ہوا۔ کہ "ہزاروں آدمی تیرے پَروں کے نیچے ہیں"۔ (تذکرہ صفحہ ۶۵۰)

اب ظاہر ہے کہ پَر ہمیشہ پرندوں کے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور پرندے کے پَروں کے نیچے بیٹھنے والے بھی پرندے ہی ہوتے ہیں۔ گویا اس الہام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی پرندہ قرار دیا گیا اور پھر یہ بھی بتایا گیا کہ وہ لوگ جو آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے والے ہیں۔ وہ بھی عالم روحانی کے پرندے ہیں۔ اس الہام نے قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح کر دی۔ اور بتا دیا کہ طَیر سے مراد جسمانی پرندے نہیں۔ بلکہ

وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالےٰ کی طرف پرواز کرنے والے ہیں۔ ان برگزیدہ لوگوں کو استعارۃً اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ پرندہ آسمان کی طرف اُڑتا ہے۔ اور علوم سماوی آسمان سے نیچے کی طرف اترتے ہیں۔ اور جب یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز اُوپر سے نیچے کی طرف آرہی ہوگی۔ تو وہ سب سے پہلے اسی کو ملے گی۔ جو اوپر پرواز کر رہا ہوگا پس عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرنے والے کو اس لئے بھی پرندہ کہا جاتا ہے۔ کہ آسمانی علوم اور اسرارِ غیبی جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے انہی لوگوں کو الہام یا رؤیا و کشوف کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں جو اوپر پرواز کر رہے ہوں۔ اور انہی آسمانی طیور کو اللہ تعالےٰ سب سے پہلے اپنے فیوض سے متمتع فرماتا ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کی صحبت میں آکر بیٹھتے ہیں وہ بھی اپنے اپنے اخلاص اور درجے کے مطابق ان فیوض سے مستفیض ہوتے چلے جاتے ہیں ؛

قَالَ الرَّسُوْلُ

تکبّر اور غرور

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ۔ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَّنَعْلُہٗ حَسَنَۃً قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔

(مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر و بیانہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا۔ اللہ تعالےٰ اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو۔ جوتی اچھی ہو۔ وہ خوبصورت لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ تکبر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر دراصل یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کرے۔ لوگوں کو ذلیل سمجھے اور ان سے بُری طرح پیش آئے ؛

صدر محترم کا پیغام خدّام کے نام

"کھپرا لگ گیا"

ایک زمیندار نے اپنی دانست میں بہت احتیاط سے گندم کا ذخیرہ کیا۔ اور مطمئن ہو گیا کہ مشکل وقتوں کے لئے اس نے ڈھیروں اناج جمع کر لیا ہے۔ لیکن چند ماہ بعد جب ضرورت پڑنے پر ذخیرہ کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ساری گندم کو کھپرا لگ چکا ہے اور چند دانوں کے سوا تمام گندم کھوکھلے چھلکوں اور مٹی اور بے کار زہریلے آٹے کے سوا کچھ نہیں رہی۔

مَیں نے سوچا کہ ہم جو اپنے اعمال کا ذخیرہ کر رہے ہیں اس ذخیرہ کا کیا حال ہے۔ تب مَیں نے تجسس اور احتیاط کے ساتھ نظر کی اور ایک ایک مٹھی کو اٹھا کر باریک نظر سے دیکھا۔ تو مجھے کھوکھلے چھلکوں اور مٹی اور بے کار زہریلے مادے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ریا اور خودستائی اور نخوت اور خود غرضی اور بے شمار گناہوں اور غفلتوں کے جراثیم نے حسنِ نظر آنے والے چند گنتی کے اعمال کو اندر اور باہر سے کھا کر کھوکھلا کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ چھلکوں کے خول بھی سالم نہ بچے تھے۔

مَیں نے سوچا کہ کیا یہ وہ ذخیرہ ہے جو ہم اپنے رب کے حضور صلوٰۃ اور طیبات کے تحفوں کے طور پر پیش کریں گے۔ اس سے تو خالی ہاتھ ہونا بہتر تھا۔ بہتر تھا کہ ہم خالی ہاتھ جاتے اور عرض کرتے کہ آقا! تہی دامن آئے ہیں۔ کچھ لے کر نہیں آئے۔ کچھ حق نہیں رکھتے۔ جو پونجی تھی راہزنوں نے لوٹ لی۔ جو اثاثہ تھا زوال کی طاقتوں نے خاک میں ملا دیا۔ کوئی نفع مند تجارت ہم سے نہ ہو سکی۔ جسے ہم سونا سمجھتے تھے وہ مٹی نکلا۔ تیری بلند شان کے حضور پیش کرنے کے لئے اشکہائے ندامت کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ پھر بھی تیرے فضل کے بھکاری ہیں۔ تیری رحمت کے متمنّی۔ تیری بے پناہ بخشش پر نظر جمائے ہوئے آئے ہیں۔ رب

رب لما انزلت الیّ من خیر فقیر۔ رب لما انزلت الیّ من خیر فقیر

ربّ لما انزلت الیّ من خیرٍ فقیر!

چماروں کے کُتّے

ایک مرتبہ ایک چمار خانے کے پاس سے ہمارا گذر ہوا تو دیکھا کہ بڑے بڑے موٹے اور مسٹنڈے کُتّے جو آسانی سے مہیا ہونے والے مُردار کے گوشت پر پل کر نہایت تنومند ہو چکے تھے ایک عجیب شاہانہ شان کے ساتھ اس چمار خانے کے چوگرد لیٹے ہوئے تھے۔ قارون کو اپنے خزانوں پر ایسا اطمینان نصیب نہ ہوا ہوگا جو ان کتّوں کو مُردار گوشت کی فراوانی پر تھا۔ گویا سب دنیا کی بادشاہت انہیں نصیب تھی اور کوئی مراد ایسی نہ رہی تھی جو پوری نہ ہو چکی۔

ذلیل مردار پر راضی ہو جانے والے ان کتّوں کو دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ تب مَیں نے سوچا اور ندامت سے میری گردن جھک گئی۔ کہ دنیا پر گرا ہوا انسان ان سے کب بہتر ہے۔ وہ جس کی تمام تر کوششیں حصولِ دنیا میں صرف ہو گئیں اور اس کی بلندیوں سے ناآشنا نظر پستی ہی کی جانب کھلی رہتی ہے۔ وہ جو رشوت اور چوری اور ڈاکہ اور غصب کے مال پر دن رات ایسے پلتا ہے جیسے گویہ پر کیڑے اور اپنے کثیر اموال کے باوجود۔ غریب۔ فاقہ کش اور بے کس بیماروں اور دکھوں میں مبتلا انسانوں کی تکلیفوں سے بے نیاز مجرمانہ غفلت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ جس کے خزانے اس کی ہوسِ زر کی پیاس بجھا نہ سکے اور ھل من مزید کی صدا اس کی ہوس کی جہنم سے ہر آن اٹھتی ہے۔ کیسے بہتر ہے چمار خانے کے ان کتّوں سے جو پلتے تو مردار ہی پر ہیں۔ مگر کیسی شکم سیری اور اطمینان اور سکینت ان کے چہروں پر ہویدا ہے۔

مَیں نے سوچا کہ جیسے مجھے ان کتّوں کی جہالت اور ذلیل فخر پر ہنسی بھی آئی۔ اور رحم بھی۔ کیا اسی طرح خدا تعالیٰ کے نیک اور حلال کمائی پر پلنے والے بندے دنیا پر گرے ہوئے حرام خور انسانوں کی طرف نہیں دیکھتے ہونگے۔ تب میرا سر ندامت سے جھک گیا۔ کیونکہ مجھے اپنے سے اوپر بھی روحانی بلندیوں کی مختلف سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے زینہ بزینہ بے شمار ایسے انسان نظر آئے جن کے مقابل پر نچلے زینوں پر کھڑے ہوئے انسان نسبتاً ادنیٰ حالتوں پر راضی نظر آتے تھے۔ یہ زینہ سدرۃ المنتہیٰ تک بلند تھا اور اس کے آخری زینہ پر میرے آقا و مولیٰ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نور درخشندہ نظر آتا تھا۔

مَیں نے سوچا۔ کہ اگر انسان وہ ہے تو بخدا اسم انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ اور اس نورِ کامل کے ظلِ کامل کے لئے جو التجا کمالِ انکسار بخدا ہمارے لئے عین اعترافِ حقیقت ہے تب بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہوا کہ

کرمِ خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

مکرم محمد شفیق صاحب قیصر

اسلام اور آزادیٔ فکر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نورِ عقل اور آزادئ فکر عطا فرما کر تمام دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی اور اسے نیکی اور بدی کا راستہ بھی کھول کر بتا دیا ہے اور اس کی آزادی رائے کو ہر حال میں قائم رکھکر اُسے اختیار دیا ہے کہ نیکی اور بدی کے دونوں راستوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ کیونکہ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے وہ انعام یا سزا کا مستحق ٹھہر سکتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الدّہر میں فرماتا ہے۔

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ
اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔

کہ ہم نے انسان کو اس کے مطابق حال رستہ بتا دیا ہے یعنی خواہ وہ شکر کرے یا نافرمان ہو جائے۔

قرآن کریم اسلام کو ایک سائنس اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی نزول کے لحاظ سے سب سے پہلی سورۃ ہی کو دیکھئے۔ جو ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ ان پانچ آیات کا مطالعہ کریں جو سب سے اوّل بطور پیش خیمہ آسمان سے اُتریں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پانچ آیات دراصل پانچ پھول ہیں جو اسلامی بہار کے آغاز میں کھلے انہیں سونگھیں اور دیکھیں کہ ان سے کیسی خوشبو آتی ہے تا ہمیں معلوم ہو کہ اسلام کے اس موسم بہار میں کس رنگ کے پھول کھلنے والے تھے۔

پس یہ پانچ آیات اسلام کے باغ کا سب سے پہلا پھل ہیں۔ ان کو چکھنے اور اندازہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس باغ کے دوسرے پھل کس رنگ اور کس مزہ کے ہونے چاہئیں۔ یہ پانچ آیات اسلام کا پہلا پیغام ہیں جو اہلِ دنیا کے نام آسمان سے نازل ہوا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

" اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ
خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ
مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ
الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ
یَعْلَمْ۔ (سورۃ العلق)

ترجمہ:۔ اپنے رب کا نام لیکر پڑھ جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا۔ اور جس نے انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ قرآن کو پڑھکر سناتا رہ۔ کیونکہ تیرا رب بڑا کریم ہے

وہ رب جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا ہے اور آئندہ بھی سکھائے گا اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اب ایک ایسے دین کا آغاز ہونا شروع ہوا ہے جو ایک علم یعنی سائنس کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائیگا اور اس کی اشاعت قلم سے یعنی دلائل اور براہین کے ذریعہ ہوگی۔ نہ جبر و اکراہ کے ذریعہ۔

پس قرآن کریم کے سوا دنیا کی کوئی اور الہامی کتاب ایسی نہیں جس نے قلم کو اپنی صداقت کا نشان بنایا ہو۔ گویا اسلام کے سوا کوئی دین ایسا نہیں جس نے علم کو اپنا ماٹو (Motto) اور مقصود قرار دیا ہو۔ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ امتیازی نشان صرف اسلام نے اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ لیکن کس قدر ظلم ہے کہ ایسے دین کی نسبت جو قلم کے ساتھ دنیا پر ظاہر ہوا۔ اور جس نے اپنے پیغام کو علم کے لفظ سے تعبیر کیا اور فکرِ انسانی کو آزادی کی ضو بخشی اسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی اشاعت کے لئے اپنے پیرووں کو حکم دیا کہ وہ تلوار کے زور سے لوگوں کو اپنے دین میں داخل کریں اور جو داخل ہو کر نکلنا چاہے اس کا سر قلم کر دیں۔

وہ لوگ جو تلوار کی دھار پر گھمنڈ کرتے ہیں ممکن ہے ان کی نظروں میں قلم اور دوات حقیر اور ذلیل ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کو عزت عطا فرمائی ہے اور وہ ان کے نام پر اپنی پاک کتاب میں قسم کھاتا ہے

چنانچہ قرآن شریف میں سورۃ القلم ان مبارک الفاظ کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

نٓ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ۔

آج قلم تو یہ فخر کر سکتا ہے کہ قرآن شریف کی ایک سورۃ کریمہ کو اس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مگر تلوار اور نیزہ کو یہ فخر اور عزت ہرگز حاصل نہیں۔ اور یہ سب سے بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ اسلام نے اپنے اولین پیغام میں آزادیٔ فکر کی بنیاد رکھی ہے تمام قرآن مجید اس پہلی وحی کے رنگ میں رنگین ہے جو قلم کے نشان کے ساتھ علم کا جھنڈا لئے ہوئے دنیا پر نازل ہوئی۔ کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنی ہر ایک بات کو علم کے پیرایہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ صرف یہی نہیں کہتی کہ ایک خدا پر ایمان لاؤ۔ بلکہ خدا کی ہستی کے زبردست دلائل بھی ساتھ ہی پیش کرتی ہے وہ صرف یہ نہیں بتاتی کہ خدا کی ذات فلاں فلاں صفات سے متصف ہے بلکہ ان صفات کے مظاہر بھی ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔ تا ہمیں ان صفات کے متعلق یقین حاصل ہو۔ وہ صرف یہی نہیں کہتی کہ الہام اور وحی کا نزول دنیا کی ہدایت کے لئے ضروری ہے بلکہ دلائل کے ساتھ اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہے۔ وہ صرف اتنا ہی نہیں کہتی کہ خدا کے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لاؤ بلکہ وہ ہمیں وہ معیار بھی بتلاتی ہے جس کے ذریعہ ہم سچے اور جھوٹے مدعیان میں امتیاز کر سکیں۔ وہ صرف

ہمیں یہی نہیں سکھاتی کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو جزا و سزا کی زندگی ہے۔ بلکہ وہ اس کا ثبوت بھی پیش کرتی ہے۔ غرض جو امور ایمانیات کے متعلق ہیں وہ ان کے متعلق ہم سے اس امر کا مطالبہ نہیں کرتی کہ ہم ان کو اندھا دھند مان لیں بلکہ پہلے دلائل کے ساتھ ان کی حقیقت کا یقین ہمارے دلوں میں بٹھاتی ہے اس کے بعد ان پر ایمان لانے کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۃ الفرقان میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۔

اور وہ لوگ بھی رحمان کے بندے ہیں کہ ان کے رب کی آیات جب انہیں یاد دلائی جائیں تو وہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان پر نہیں گرتے (رکوع ۶)

پھر قرآن شریف ہمیں یہی حکم نہیں دیتا۔ کہ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ صدقہ دو۔ حج کرو۔ فلاں بدی سے بچو اور فلاں نیکی اختیار کرو بلکہ وہ ان احکام کی حکمت اور فلسفہ اور ان کے فوائد بھی ساتھ ہی بیان فرماتا ہے تا ہم شوق سے اور بطیب خاطر ان اعمال کو بجا لائیں اور ان کو ایک بوجھ نہ سمجھیں۔

قرآن کریم میں ہمیں جا بجا یہ نظر آتا ہے کہ کبھی وہ ہماری توجہ صحیفۂ قدرت کی طرف پھیرتا ہے اور کبھی وہ ہماری عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے آگے اپیل کرتا ہے اور ہمیں غور و فکر اور تدبر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے کبھی وہ سُنّۃ اللہ اور اللہ تعالےٰ کے غیر مبدل قوانین کا ذکر کرتے ہوئے ماضی کے واقعات اور پہلے انبیاء اور ان کی قوموں کی مثال سے عبرت حاصل کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ کبھی وہ نہایت ہی مغلق اور پیچیدہ مسائل کو نہایت ہی آسان پیرایہ میں حل کر کے دکھاتا ہے اور کبھی وہ مخالفین کے اعتراضات کا رد کر کے ان پر اتمام حجت کرتا ہے کبھی وہ عقائد باطلہ اور خصائل رذیلہ کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ کے مقابل میں رکھ کر اسلامی تعلیم کی فضیلت کو طالبانِ حق پر واضح کرتا ہے۔ اور کبھی ہماری ضمیر اور کانشنس سے اپیل کر کے ہماری زبان سے حق کا اقرار کرواتا ہے، غرض کوئی علمی، ذہنی، عقلی اور فطری ذریعہ نہیں جس کو وہ کام میں نہیں لاتا۔ اور کوئی سمجھانے کا طریق نہیں جس کو وہ استعمال نہیں کرتا۔

قرآن کریم بار بار اس امر کی طرف زور دیتا ہے کہ غور و فکر اور تدبر سے کام لیں۔ کبھی تو وہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۔
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى
جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ۔ (آل عمران۔ ع ۲۰)

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کیلئے یقیناً کئی نشان موجود ہیں۔ اور وہ عقلمند جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بارہ میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

کبھی وہ فرماتا ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ
اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (محمد ع ۳)

کہ کیا وہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے۔ کیا ان دلوں پر ایسے قفل ہیں جو ان کے دلوں ہی کی پیداوار ہیں۔ کبھی فرماتا ہے:۔

اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ۔ (الانعام ع)

غرض قرآن کریم بار بار اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اور اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ۔ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ۔ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ۔ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ اور ایسے ہی الفاظ کہکر انسان کی عقل سے اپیل کرتا ہے اور اس کو غور و فکر کی تحریک کرتا ہے اور منافقوں اور کفار کی نسبت فرماتا ہے:۔

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا
یَرْجِعُوْنَ (البقرہ ع ۲)
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا
یَعْقِلُوْنَ۔ (مائدہ ع ۸)

اَلصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا
یَعْقِلُوْنَ۔ (انفال ع ۳)

پھر اللہ تعالےٰ منکرین کے متعلق فرماتا ہے:۔

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ
بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا
یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ
لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ
کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف ع ۲۲)

ترجمہ:۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان کے ذریعہ سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں تو ہیں مگر ان کے ذریعہ وہ دیکھتے نہیں ان کے کان تو ہیں مگر ان کے ذریعہ سے وہ سنتے نہیں وہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ دراصل وہ بالکل جاہل ہیں۔

غرض کہ قرآن کریم اول سے آخر تک انسان کو اپنی عقل اور دانش اور آنکھوں اور کانوں اور غور و فکر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے اور ہر ایک بات دلیل کے ساتھ منواتا اور ہر ایک حکم کی حکمت بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ
اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرہ ع ۱۳)

پھر فرماتا ہے:۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا۔

وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ (الحج ع۹)
ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے ابتداء سے ہی آزادیٔ فکر اور آزادیٔ ضمیر کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ ایک ایسا دین ہے۔ جس کا دارو مدار دلائل و براہین پر ہے اور عین فطرت صحیحہ کا نقشہ ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو مخالفین کے متعلق یہ تلقین کرتا ہے کہ

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ
قَوْلًا بَلِيْغًا۔ (نساء - ۹)

کہ ان سے ایسی باتیں کرو اور ایسے طریق سے گفتگو کرو۔ جو اچھی طرح ان کے دلوں پر اثر کرے۔
اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم ع۴)

یعنی یہ دین کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو اختیار کرنا ہی دین ہے۔ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے پس فطرتِ انسانی پر وہی چیز اثر کر سکتی ہے جو عین فطرت کے مطابق ہو۔ پس اسلام نے دلوں کو فتح کرنے کے لئے سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم کو قرار دیا ہے۔ آزادیٔ فکر کی تہذیب و تزہین جس رنگ میں اسلام نے کی ہے اس کی نظیر کسی اور الہامی یا غیر الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اگر اہلِ مغرب نے آزادی ضمیر کا سبق سیکھا ہے تو وہ مسیحیت کے حامیوں کے تشدد اور ظلم اور تعدی سے سیکھا ہے۔ مذہب کے نام پر اہلِ مغرب پر ناقابلِ بیان ظلم کئے گئے اور طرح طرح کے عذابوں کے ذریعہ ان کو دکھ دیا گیا۔ اور قتل کئے گئے جس کا برعکس نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو مذہبی تشدد سے شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ اور مذہبی آزادی کی قدر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ یہ سبق انہوں نے مسیحیت سے نہیں بلکہ خونریزیوں اور جفاکاریوں سے سیکھا۔ لیکن ہم مسلمان اس سبق کے لئے کسی انسان کے ممنون نہیں بلکہ ہمارا خدا ہمیں اپنی پاک کتاب میں اس اصول کی تعلیم دیتا ہے کہ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ
شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيْلًا۔ (مزمل ع۱)

یعنی یہ نصیحت کی باتیں ہیں جو چاہے اپنے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔ بعینہٖ یہی الفاظ سورۂ دھر میں بھی آئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ (المدثر ع۲)

یعنی ہرگز ایسا نہیں کیونکہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے۔ پس جو ہدایت پانا چاہے اس کو سوچ سمجھ کر قبول کرے۔ پھر فرماتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ
مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ع۴)

یعنی اے نبی! تو ان لوگوں سے کہدے کہ یہ قرآن

برحق تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا
لَّهٗ دِيْنِيْ فَاعْبُدُوْا
مَاشِئْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ (الزمر۔ ع ۲)

یعنی اے نبی ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو خدا کی ہی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ رہے تم۔ سو اس کے سوا جس کو چاہو پوجو۔

پھر فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔ (یونس ع ۱۱)

ترجمہ:۔ تو ان سے کہہ کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے پس اب جو کوئی اس کی بتائی ہوئی ہدایت کو اختیار کرے تو وہ اپنی جان ہی کے فائدہ کے لئے ہدایت کو اختیار کرتا ہے اور جو اس راہ سے بھٹک جائے تو اس کا بھٹکنا بھی اس کی جان پر ہی ایک وبال ہوگا۔ اور میں تمہارا کوئی ذمہ وار نہیں ہوں۔

پھر فرماتا ہے:۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ
اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔ (النمل ع ۷)

ترجمہ:۔ اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں پس جو اسے سنکر ہدایت پا جائے گا۔ تو اس کا ہدایت پا جانا صرف اسی کی جان کے کام آئے گا اور جو اسے سنکر گمراہ ہو جائے گا تو تُو اسے کہہ دے کہ میں صرف ایک ہوشیار کرنے والا وجود ہوں۔

ان سب آیات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حق و باطل کو بڑے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے اور راہ ہدایت پر چلنے والوں کے فوائد اور کجی کے راستہ پر چلنے والوں کے نقصانات بھی واضح فرما دیئے ہیں۔ اس کے بعد انسان کو آزادی دی ہے کہ چاہے تو ہدایت کی راہ کو اختیار کرے اور چاہے تو دوسری راہ راہ اختیار کرے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح وہ خود اپنے اصول اور احکام کی خوبی اور کمال کو ظاہر کرنے کے لئے حکیمانہ طریق اختیار کرتا ہے اور دلائل قویہ اور براہین نیرہ کے ذریعہ اپنی تعلیم کی خوبی لوگوں کے ذہن نشین کرتا ہے۔ ایسا ہی مبلغین اسلام کو بھی ہدایت دیتا ہے کہ

وہ نہایت ہی احسن اور مدلّل اور حکیمانہ طریق سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نحل میں فرماتا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ
بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ
الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ
ھِیَ اَحْسَنُ۔ (النحل ۱۶ع)

یعنی اے رسول یا مبلغ! تو لوگوں کو حکیمانہ طریق سے اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلا۔ اور ان کے ساتھ ایسے طور پر بحث کر جو پسندیدہ ہو۔

پھر اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ
اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (عنکبوت ع۵)

یعنی اہل کتاب کے ساتھ ایسے طریق سے بحث و مباحثہ کرو جو نہایت ہی اعلیٰ مناسب و معقول اور پسندیدہ ہو۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ جب وہ عوام کو اپنے دین کی تبلیغ کریں۔ تو نہایت ہی احسن طریق اختیار کریں۔ اور نہایت ہی نرمی، رافت اور ہمدردی کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو بار بار بیان کیا ہے کہ نبی کا کام صرف سمجھانا ہے وہ لوگوں پر داروغہ کی طرح متعین نہیں کیا گیا۔ کہ وہ نفوس ان کو اسلام قبول کرنے یا اسلام میں رہنے کے لئے مجبور کرے یا ان سے اس کے متعلق کوئی باز پرس کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ
مُذَکِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَیْھِمْ
بِمُصَیْطِرٍ (الغاشیہ)

پھر فرماتا ہے:۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ
وَمَآ اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِجَبَّارٍ
فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ
یَّخَافُ وَعِیْدِ۔ (ق۔ ع۳)

پھر فرماتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا
وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا
وَمَآ اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ (انعام)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھے ان پر محافظ نہیں مقرر کیا۔ اور نہ تو ان پر نگران ہے۔

ان آیات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں پر بطور محافظ اور داروغہ کے مقرر ہو۔ اور ان کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرے اور جو داخل ہو چکے ہوں ان کو بھٹکنے سے زبردستی روکے رکھے اس کا کام صرف سمجھا دینا ہے اور بس۔

پس قرآن کریم میں کسی بھی مقام پر آزادی فکر پر پابندی عائد نہیں کی گئی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے گذشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے تذکرے بیان کر کے ہمارے لئے عبرت کا سامان پیدا کیا ہے اور اس حقیقت کو خود اللہ تعالےٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ
عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

یعنی قرآنِ پاک میں سابقہ مومن اور کافر جماعتوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالےٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہم مومنوں کے نمونہ پر چلیں اور ان راہوں سے پرہیز کریں جن راہوں پر مومنوں کے دشمن اور کافر ہمیشہ قدم مارتے چلے آئے ہیں۔

قرآن کریم میں اوّل سے آخر تک ہمیں یہی پتہ چلتا ہے کہ خدا کے نبیوں کے دشمن بڑے ظالم اور جابر تھے وہ دین کے معاملے میں جبر سے کام لیتے تھے اور جبراً لوگوں کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے۔ لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ مومن بھی جبر سے کام لیتے تھے۔ بلکہ اسلام نے آزادیٔ فکر کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا ہے۔

آیئے اب ہم تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ آزادیٔ فکر کے اس اصول کو اسلام کے ابتدائی دور میں کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا۔

کفار کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے اور مصائب جھیلنے کے بعد مدینہ منورہ میں مومنوں کی ایک جماعت کو منظم کیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد جو اقدامات کئے ان میں سے ایک اہم اقدام یہ فرمایا۔ کہ مدینہ میں مقیم تین بڑی جماعتوں یعنی مہاجرین مکہ۔ انصار مدینہ اور یہود مدینہ کے درمیان ایک سمجھوتہ طے کرایا۔ اور اسلام کے اس پہلے معاہدے میں جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا صاف اور تاکیدی بیان ہے۔

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت حوالہ خریداری نمبر ضرور دیا کریں۔ (مینیجر)

وقت کی قیمت کا احساس

"اپنی ہمتوں کو بلند کرو۔ اور اگر ایک منٹ بھی تمہارا ضائع ہو جائے تو سمجھو کہ موت آگئی۔ ہر روز رات کو سونے سے پیشتر سوچو کہ دن میں تم نے کتنا کام کیا۔ اگر تم روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرو گے تو تمہارے اندر احساس پیدا ہوگا۔ اور اس وقت تمہارا وجود سلسلہ کیلئے مفید ہوگا۔ ورنہ جیسے ہمالیہ پہاڑ کو بوٹ سے ٹھڈے لگانے والا پاگل ہے تم بھی پاگل سمجھے جاؤ گے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمہارا کام ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑا ہے اگر پاگل نہیں کہلوانا چاہتے تو محنت اور قربانی کی عادت ڈالو"

(فرمودہ ۱۲/۲۶ ۱۷ مطبوعہ الفضل ۵/۴۱ ۱۶)

فیض چنگوی
سابق ایڈیٹر اخبار المصلح کراچی

اِنسانِ کامل

(۲)

جنگ میں جرنیل تھا جو اور مسجد میں خطیب — نوعِ انسانی کے ہر دُکھ درد کا حاذق طبیب

ایک مفتی بے ریا اور ایک مرشد بے نظیر — تھی مقدس رُوح جس کی جس کا پاکیزہ ضمیر

وہ مبلّغ، وہ مدبّر، وہ بشیرِ دنیا و دیں — جس کو دشمن بھی سمجھتے اور کہتے تھے امیں

نوربخشِ آسماں نورِ زمیں خیر البشر — جس کے دم سے ہیں منوّر انجم و شمس و قمر

جس کی تعلیم مقدس اتّحاد امن و سکوں — خانۂ توحید کا ہے جو کہ اک محکم ستوں

جس کے دم سے سینکڑوں مایوس دیکھے بامراد — قلب و جاں کے واسطے تسکین جس آقا کی یاد

جو مساکین و یتامیٰ کے لئے تھا اک سپر — سب سیاسی اور ملکی حکمتوں سے بہرہ ور

تاجر و مزدور و زہّاد عابد و پرہیزگار — بن گئے ہیں باسلیقہ جملہ اہلِ کاروبار

تھی محبت سے بھری جس کی معاشی زندگی — آدمی کو جو صحیح معنے میں کرے آدمی

جس کی عفت اور امانت صدق اور صبر و قرار — بے مثال و بے نظیر و بے حساب و بے شمار

جس کے اخلاقِ حمیدہ پہ جہاں حیران ہے — جو سخاوت اور صداقت کا ہرا بستان ہے

صدق گوئی اور شجاعت عزم و استقلال میں — استقامت چومتی تھی پاؤں ہر اک حال میں

خدمتِ خلقِ خدا میں جو کہ سینہ ریش تھا — یعنی سلطانی میں بھی درویش کا درویش تھا

جو معمّر سِن رسیدہ حکمرانوں کے لئے
اور تھا کامل نمونہ نوجوانوں کے لئے

عدل کا زندہ سبق فرمانرواؤں کے لئے
مفتیوں، قانون دانوں، رہنماؤں کے لئے

جس کے علم و فضل سے انسانیت کی آبرو
جس کے ذکرِ پاک سے کون و مکاں پائیں نمو

جس کی تعلیم مقدس آج عالمگیر ہے
جس کی ساری زندگی قرآن کی تفسیر ہے

دو جہانوں کے لئے رحمت ہے جو قدسی وجود
عالمِ انسانیت پہ بارشِ الطاف و جود

اللہ اللہ جسمِ اطہر پیکرِ نور و جمال
اللہ اللہ مظہرِ حسن و جمالِ بے مثال

اللہ اللہ فیض اس کا پیکرِ پاک و جمیل
کوئی اب تک ہو سکا نہ ہو سکے گا پھر مثیل

بادشاہوں نے دیا جس کے غلاموں کو خراج
جس کی حکمت سے شتربانوں کی ٹھوکریں تھے تاج

شفقت و احسان و دلداری میں حرفِ آخریں
رحمۃ للعالمین ختمِ نبوّت کا نگیں

تھی غلامی پہ لگائی جس نے ضربِ اوّلیں
صفحۂ تاریخِ انسانی کا وہ نقشِ حسیں

آسرا بے آسروں کا اور بے یاروں کا یار
وہ غریبوں کا سہارا غمزدوں کا غمگسار

قیصری ہے جس کی خاکِ راہ کا دھندلا غبار
جس کی درویشی پہ فال و فرِ سلطانی نثار

جامِ آزادی کا صحراؤں میں چھلکاتا رہا
خارزاروں میں جو بادل پھول برساتا رہا

کُل جہانوں اور زمانوں کیلئے رحمت ہے جو
ساری قوموں، خاندانوں کیلئے رحمت ہے جو

ہاں وہی کامل نمونہ پاک رُو نورِ خدا
ہاں وہی اُمّی لقب حضرت محمد مصطفٰے

آؤ سب مل کر کہیں ہم اے شہِ عالی مقام
تجھ پہ لاکھوں رحمتیں ہوں تجھ پہ ہوں لاکھوں سلام

محترم پروفیسر مبشر احمد صاحب
قائد مجلس خدام الاحمدیہ پشاور یونیورسٹی

"دُنیا کی عمر"

"دنیا کی عمر" سے مراد اس کرۂ زمین کی عمر ہے جس پر ہزاروں تہذیبوں نے جنم لیا۔ اور جس میں تاریخ انسانی کے سینکڑوں ادوار مدفون ہیں۔ جس کے بارے میں اس پر بسنے والے انسانوں کا کبھی خیال تھا کہ یہ ایک گول طشتری کی مانند سطح کے لحاظ سے چپٹی ہے اور اس کے کناروں کی تلاش ان کے لئے سالہا جستجو اور خیال انگیزیوں کا مرکز رہی مگر بعد میں جو بغیر کسی کنارے کے ایک نارنگی کی طرح گول ثابت ہوئی۔ وہ کرہ جو کبھی ساری کائنات کا مرکزی نقطہ متصور کیا جاتا تھا۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ سارے کا سارا آسمان بمعہ سورج، چاند اور ستاروں کے اس کے گرد گھوم رہا ہے اور یہ خود ساکن ایک پختہ مقام پر مضبوطی سے کھڑا ہے، مگر بعد کے انکشافات نے اسے متحرک بلکہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ متحرک سورج کے گرد ۱۸۰۵ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پروانہ وار گردش کرتا ہوا ثابت کر دیا۔ اور اس کے حصے میں تمام کائنات میں سے صرف ایک چاند رہ گیا۔ جو اس کا طواف کر رہا ہے۔

ہم نے اس دنیا کی عمر کا اندازہ لگانا ہے جو کبھی انتہائی طور پر عظیم الشان اور وسیع و جسیم سمجھی جاتی تھی۔ مگر بعد کی تحقیقات نے جب اس کا مقابلہ کائنات میں دیگر ستاروں اور سیاروں سے کیا تو اس کی عظمت، وسعت اور جسامت ہیچ نظر آنے لگی۔ وہی سورج جو کبھی اس کا دیوانہ نظر آتا تھا اور اس کے گرد غلامانہ طور پر گھومتا ہوا معلوم ہوتا تھا اس زمین سے اس قدر بڑا ثابت ہوا کہ اس جیسی لاکھوں بلکہ کروڑوں زمینیں اس میں با آسانی سما سکتی ہیں۔ وہ سورج اپنے وزن کے لحاظ سے اس دنیا سے تین لاکھ اکتیس ہزار اور نو سو پچاس گنا زیادہ بھاری ثابت ہوا ہے یہ کرۂ زمین سورج سے کتنا چھوٹا ہے اس کا اندازہ ہم اس سے لگا سکتے ہیں۔ کہ چاند جو کہ زمین کے گرد دو لاکھ انتیس ہزار میل کے فاصلہ سے چکر لگا رہا ہے۔ اگر وہ چاند اور دور ہٹ کر چار لاکھ بتیس ہزار میل کے فاصلہ سے چکر لگائے تو جتنا رقبہ چاند اپنی اس نئی گردش کے دوران گھیرے گا وہ سورج کے محیط کے برابر ہوگا۔ یہ دنیا نہ صرف اپنے سورج سے چھوٹی ثابت ہوئی بلکہ اپنے کئی ساتھی سیاروں سے بھی چھوٹی نکلی۔

مثال کے طور پر اس کے ہمجولی سیاروں میں سے یورینس، زمین سے چودہ گنا نیپچون سترہ گنا ۔ زحل پچانوے گنا اور مشتری تقریباً تین سو گنا بڑے ہیں۔ دنیا بے چاری کی وقعت اور عظمت اور کم ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" کی سچائی کی زندہ تصویر بن جاتی ہے ۔ جب ہم اس کا مقابلہ دیگر ستاروں کے حجم اور وسعت کے ساتھ کرتے ہیں ۔ کیونکہ کائنات میں موجود بے شمار ستاروں کے سامنے ہمارا سورج بمع اپنے تمام سیاروں کے بالکل ننھا منا سا رہ جاتا ہے ۔ زمین سے لاکھوں گنا بڑے سورج لاکھوں بلکہ کروڑوں گنا بڑے ستارے موجود ہیں ۔ اس پس منظر میں جب ہم تمام ستاروں کی تعداد پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے باہمی فاصلوں کا اندازہ لگاتے ہیں تو ہماری حیرت کی انتہاء نہیں رہتی ۔ یہ تو ممکن ہے کہ زمین پر تمام ریگستانوں میں موجود ریت کے ذرات کا شمار کیا جا سکے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس کائنات میں موجود اجرام فلکی کی کل تعداد کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے ۔ اس صورتِ حال میں ہماری یہ دنیا کائنات میں ایسی ہے جیسے تمام سمندروں کے مجموعی پانیوں کے مقابل پر شبنم کی ایک ننھی منی سی بوند ۔ ہم نے اسی ننھی منی دنیا کی عمر کا اندازہ لگانا اور مکان میں اس کی بے مایہ سی حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھنا یہ ہے کہ زمان میں اس کی کیا حیثیت ہے ۔

یعنی کائنات میں یہ کرۂ ارض کتنے عرصہ سے موجود ہے بالفاظِ دیگر اس کی پیدائش سے آج تک کتنا وقت گذرا ہے ۔

اور جیسا کہ مسلّم اصول ہے کہ کسی کی عمر کا اندازہ لگانے کے لئے دیکھنا یہ پڑتا ہے کہ اس کی پیدائش کب ہوئی ۔ لیکن دنیا کی عمر معلوم کرنے کے لئے صرف اتنا جاننا کافی نہیں ۔ کہ اس کی پیدائش کب ہوئی ۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک اور انتہائی مشکل اور پیچیدہ سوال بھی حل طلب ہے وہ یہ کہ دنیا کیسے پیدا ہوئی ۔ بڑے بڑے صاحب علم احباب نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے جتن کئے ہیں ۔ اور بعض نے بڑی عمدہ توجیہات بیان کی ہیں ۔ جن میں سے چند ایک کا مختصراً بیان دلچسپی کا باعث ہوگا اور اصل موضوع سے دور ہٹنے کے مترادف بھی نہ ہوگا ۔

دنیا کی پیدائش کے متعلق جس قدر خیالات تحریری ریکارڈ میں ملتے ہیں ان میں سے ابتدائی تو محض دیو مالا کے قصے کہانیاں یا شاعروں کے مبالغہ آمیز تصوّرات ہیں ۔ بعد میں بائیبل میں لکھے گئے بیانات کو حتمی اور یقینی سمجھا جاتا رہا حتیٰ کہ نیوٹن کے انکشافات کے بعد میں اٹھارھویں صدی تک عیسائی دنیا میں زمین کی پیدائش کے متعلق سائنس کے نظریات کی بائیبل میں بیان کردہ امور سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی دنیا کی پیدائش کے متعلق جدید سائنسی نظریات

میں سب سے زیادہ شہرت فرانسیسی ماہر فلکیات لیپلیس (LAPLACE) کے خیال کو نصیب ہوئی اس نے ۱۷۹۶ء میں اپنا نظریہ پیش کیا۔ جو کہ سحابیائی نظریہ (NABULAL HYPOTHESE) کے نام سے مشہور ہوا (NABULA لاطینی کا لفظ ہے جس کے معنی بادل کے ہیں) LAPLACE کے نزدیک ہمارا نظام شمسی ابتداء میں منور گیس وغبار کا ایک بہت بڑا روشن بادل تھا۔ جو کہ چکر کاٹ رہا تھا۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بادل کا غیر منجمد مادہ نہ صرف کثیف ہوتا گیا اور اس کا حجم سکڑتا رہا۔ بلکہ اس کے چکر کاٹنے کی رفتار بھی تیز تر ہوتی گئی۔ اور آہستہ آہستہ اس کی شکل ایک تیز گھومتی ہوئی گول طشتری کی مانند ہو گئی۔ حجم کے گھٹنے اور رفتار کے تیز ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طشتری نما منور سحابیے کا آخری کنارہ ایک گول دائرے کی شکل میں درمیانی حصہ سے جدا ہو گیا اور یہ گول حاشیہ بالآخر ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور چھوٹے چھوٹے گولوں میں تبدیل ہو گیا۔ مگر طشتری نما سحابیے کی کشش کی وجہ سے یہ گولے اسی کے گرد چکر لگاتے رہے۔ سحابیے کا درمیانی حصہ مزید سکڑتا رہا اور مزید گول حاشیے اس سے جدا ہوتے رہے اور آخر کار سحابیے کا وہ درمیانی حصہ ہمارے موجودہ سورج کی شکل میں رہ گیا اور اس کے گرد گھومنے والے گول حاشیوں کے یہ ٹکڑے اس کے سیارے بن گئے اور اس طرح ہمارا موجودہ نظام شمسی یعنی سورج اور زمین اور دیگر سیارے وجود میں آئے۔

کچھ عرصہ تو یہ نظریہ بہت مقبول رہا مگر اس میں کئی ایک خامیاں تھیں۔ جن کی بناء پر اسے ترک کرنا پڑا۔ اور اس کی جگہ بعض نئے خیالات نے لے لی۔ جن میں سے "نظریۂ موج" (TIDAL THEORY) نے خاصی شہرت پکڑی۔ اور بیسویں صدی کے شروع تک اس نظریے کو مستند مانا جاتا رہا۔ اس نظریے کے بانی شکاگو کے چیمبرلین اور مولٹن اور بعد میں انگلینڈ کے سر جیمز جینز اور سر ہیرالڈ جیفریز تھے۔ ان سائنسدانوں کے خیالات میں فروعی طور پر اختلافات تھے۔ مگر اس اصل پر سب متفق تھے کہ زمین اور اس کے ساتھی سیاروں کا وجود سورج سے پیدا ہوا ہے اور سورج سے ان کا باہر آنا ایک عظیم واقعہ یا حادثہ کے نتیجہ میں ہوا ہے وہ عظیم واقعہ یا حادثہ یہ تھا کہ پہلے جب سورج اپنے موجودہ حجم سے قدرے بڑا تھا۔ اور اس کے گرد کوئی سیارہ بھی نہ تھا تو اتفاق سے ایک اور عظیم اور دیوہیکل ستارے کا گزر سورج کے بہت ہی قریب سے ہوا۔ بعض سائنسدانوں کے نزدیک وہ اتنا قریب سے گزرا۔ کہ سورج اور اس کے کنارے تقریبًا ایک دوسرے کو چھیلتے ہوئے نکل گئے، اور جیسے کہ چاند کی کشش کی وجہ سے زمین کے سمندروں میں مدّ و جذر پیدا ہوتی ہے اسی طرح

سورج اور اس دوسرے ستارے کی باہمی قربت
یا تصادم کے نتیجے میں سورج کی سطح سے گرم
ابلتے ہوئے مادہ اور گیسوں کی بہت بڑی بڑی
موجیں بلند ہوئیں ۔ یہ موجیں اس قدر زور سے
اٹھیں اور اس قدر بڑی تھیں کہ اس سے قبل
کہ وہ دوبارہ سورج میں واپس گرتیں ان میں
سے کچھ حصہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اتنا دور جا پڑا
کہ ٹکڑے واپس سورج میں گرنے کی بجائے اس
کے گرد چکر کاٹنے لگے ۔ سورج کی سطح پر سے
اٹھنے والی لہر کے ان ٹکڑوں میں سے ایک
چھوٹا سا ٹکڑا یا قطرہ زمین کہلاتا ہے ۔ اور باقی
ہمارے نظام شمسی کے دیگر سیارے ہیں ۔

یہ نظریہ کافی عرصہ تک سائنسدانوں اور
عوام میں ہر دلعزیز رہا ۔ مگر بعض علمی مشکلات
اس کی راہ میں بھی حائل رہیں اور آخر کار ماہرین
طبعیات و فلکیات کو اسے بھی خیرباد کہنا پڑا ۔
اور کئی نئے نظریات سامنے آئے مثلاً بعضوں
کے خیال میں سورج ایک بہت ہی بڑے گیس
و غبار کے بادل میں سے گذرا اور اپنی کشش
اور برقی توانائی کی وجہ سے ان سیاروں کو
اپنے ہمراہ کھینچ لایا ۔ جرمن ماہر فلکیات "فان وزاکر"
کا متغش گیسوں (TURBULENT GASES)
کا نظریہ ۱۹۴۵ء میں پیش کیا گیا کہ ایک عظیم
ارتعاش کی بناء پر سحابیائی گیس کئی گردابوں
کی شکل اختیار کر گئی جو کہ بعد میں سیارے بن گئے

"فان وزاکر" کے نظریئے نے کئی علمی مشکلات کو بھی
حل کر دیا مگر پھر بھی اس میں کئی سُقم موجود ہیں
بعد ازاں شکاگو کے ماہر کیمیا یورے (UREY)
نے اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا ۔ اور علم کیمیا
کی روشنی میں ایک نئے زاویے سے اس کا حل
تلاش کرنے کی کوشش کی اور بہت ہی حوصلہ
افزا نتائج تک پہنچا ۔ یورے اور اس کے ہمنوا
سائنسدانوں کے نزدیک زمین اور دیگر سیاروں
کا سورج سے نکلنا اور چاند کا زمین سے جدا
ہونا اب محض ایک دلچسپ کہانی سے زیادہ
کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ لیکن یہ جدید ترین علوم
کے ماہر سائنسدان بھی اس نتیجے پر پہنچنے میں باہم
متفق ہیں ۔ کہ سورج چاند زمین اور دیگر سیارے
ابتداء میں غبار اور ذرات کے بادل تھے ۔

اس سے آگے ان سائنسدانوں کے باہمی اختلافات
شروع ہو جاتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ ماہرین فلکیات
و طبعیات، علم کیمیا اور ارضیات اس بات کے
اقرار کرنے پر ابھی تک مجبور ہیں کہ انہیں پوری
پوری تسلی ابھی تک نہیں ہوئی ۔ بہرحال سوچ و بچار
اور علم و حکمت کے دروازے ہم سب کے لئے
کھلے ہیں اس لئے تعجب کی بات نہ ہوگی کہ عنقریب
کوئی تسلی بخش جواب انسان کو مل جائے اس امید
کو ہم اپنے سینہ میں روشن رکھتے ہوئے اب اپنے
اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ زمین کو وجود میں
آئے ہوئے کتنا عرصہ گذرا ہے ؟

دنیا کی عمر کے بارے میں انسانی خیالات کی ارتقاء کی تاریخ بھی بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ آج سے تین ہزار سال قبل یونان کے مفکرین نے ہی اس انتہائی دقیق مسئلہ کو حل کرنے میں پہل نہیں کی بلکہ اس سے بھی پہلے ہندوؤں کی مقدس کتاب "منوسمرتی" میں ابتدائے آفرینش سے لے کر کائنات کے اختتام تک کے متعلق ایک دلچسپ تاریخ درج ہے اس اندازے کے مطابق دنیا کی کل عمر چار ارب بیس کروڑ سال بنتی ہے جو کہ "برہما" کی زندگی کا ایک دن ہے اور دن کے بعد برہما کی رات آئے گی جس میں محدود لامحدود سے مل جائے گا۔ برہما کا دن چودہ وسیع حلقوں میں تقسیم ہے۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اب ساتواں دور شروع ہو چکا ہے اس لئے اب تک دنیا کی عمر اپنی کل عمر سے تقریباً نصف ہو گی۔ جو کہ دو ارب دس کروڑ سال بنتی ہے یہ تو مشرق میں موجود ایک نظریہ تھا۔ اس کے بالمقابل مغرب میں بائبل کا پیش کردہ تصور درست مانا جاتا رہا ہے۔ ۱۷ویں صدی کے آغاز میں آرچ بشپ اشر (USHER) نے دنیا کی عمر کا اندازہ بائبل میں مذکورہ حوالوں کی تفسیر اور تشریح کے ذریعے سے لگایا اور اس نے دنیا کی پیدائش ۴۰۰۴ء قبل مسیح بتائی اور دنیا کی یہ عمر بائبل کے حاشیوں میں بھی تحریر کی جاتی رہی اور تمام عیسائی دنیا اس عقیدے پر قائم تھی۔ کہ دنیا کی عمر چند ہزار سال سے زیادہ نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی عیسائیوں کے اس عقیدے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور اسے غلط قرار دیا ہے آپ "لیکچر لاہور" میں فرماتے ہیں:۔

چونکہ خدا قدیم سے خالق ہے اس لئے ہم مانتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ دنیا اپنے نوع کے اعتبار سے قدیم لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں افسوس کہ حضرات عیسائیان یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ صرف چھ ہزار برس ہوئے کہ خدا نے دنیا کو پیدا کیا اور زمین و آسمان بنائے اور اس سے پہلے خدا ہمیشہ کے لئے معطل اور بیکار تھا۔ اور ازلی طور پر معطل چلا آتا تھا۔ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ کوئی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کرے گا مگر ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر کے پھر ایسا ہی بنا دے" (لیکچر لاہور روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

گویا ۱۹۰۴ء تک جبکہ حضرت مسیح موعودؑ

نے یہ پُر معارف لیکچر دیا - عیسائی حضرات اس بے بنیاد عقیدے پر قائم تھے - کہ دنیا اپنے نوع کے اعتبار سے بھی صرف چھ ہزار سال پرانی ہے حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ دنیا اپنے نوع کے اعتبار سے قدیم ہے لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے - اس کی وضاحت بھی لیکچر لاہور اور کئی دیگر کتب میں موجود ہے اس وقت ہمیں صرف یہ بات مدنظر رکھنی ہے کہ بائبل کا پیشکردہ نظریہ کہ دنیا صرف چھ ہزار سال پہلے پیدا ہوئی غلط ہے اور اس کے ماننے والے ایک عظیم غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں - خود اہل مغرب ہی میں سے بعض صاحب علم حضرات نے بھی اس نظریے کی تردید شروع کر دی تھی - اور ان کے جدید نظریات کی بنیاد فکر و نظر مشاہدہ تجربہ اور تجزیے پر تھی -

سب سے پہلے ایک انگریز ماہر فلکیات، اڈمنڈ ہیلے Edmond Halley نے ۱۷۱۵ء میں سائنس کے اصولوں کے مطابق دنیا کی عمر معلوم کرنے کی کوشش کی - اس نے سمندر میں موجود نمک کے ذخائر سے اپنا اندازہ قائم کیا اور وہ اس طرح کہ دنیا کی سطح پر سے دریا روزانہ ایک بڑی مقدار میں پانی سمندر میں لے جاتے ہیں - اور اس پانی میں نمک حل ہوتا ہے - سمندر میں پہنچنے کے بعد پانی دوبارہ سورج کی گرمی سے آبی بخارات کی شکل میں بادلوں کے کندھوں پر اور پھر بارش و برف وغیرہ کی صورت میں واپس دریاؤں میں آجاتا ہے لیکن نمک وہیں سمندر میں رہ جاتا ہے - اور اس طرح ہر گھڑی ہر وقت سمندر میں نمک کی مقدار بڑھتی چلی جاتی ہے آنے والے کل کو آج کے مقابلے پر نمک کی مقدار زیادہ ہو گی اور آج گذشتہ کل کی نسبت زیادہ - اس طرح اگر ہم سمندر میں نمک کے اضافے کی روزانہ مقدار معلوم کر سکیں اور سمندر میں کل موجود نمک کا اندازہ کر لیں پھر یہ کہ کتنے عرصہ سے وہاں نمک جمع ہو رہا ہے اس کا اندازہ لگانا ایک آسان حسابی سوال رہ جائے گا - جان لوئی نے ۱۸۹۹ء میں اس طرز سے یہ سوال حل کرنے کی کوشش کی تو اس کا جواب آٹھ اور نو کروڑ سال کے درمیان آیا - ایک اور سائنسدان نے چاند اور زمین کی باہمی جدائی کے مفروضے کی بنیاد پر حساب لگایا تو زمین کی عمر پانچ کروڑ ستر لاکھ سال نکلی - ایک اور سائنسدان نے زیر آب تہ دار چٹانوں کی موٹائی ناپ کر اندازہ لگایا تو دنیا کی عمر دس کروڑ سال معلوم ہوئی سائنسدانوں کے ان ابتدائی اندازوں کو لارڈ کلون نے ۱۸۹۹ء میں غلط قرار دیا اور اس نے انتہائی محتاط حساب لگا کر یہ اندازہ لگایا کہ "دنیا کی عمر کم از کم دو کروڑ سال اور زیادہ سے زیادہ چار کروڑ سال ہو سکتی ہے"۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ جب تک حرارت کا کوئی مزید نامعلوم منبع دریافت نہ ہو - اس وقت تک اس کا

یہ اندازہ غلط قرار نہیں دیا جا سکے گا۔
لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ جس وقت لارڈ کلون یہ دعویٰ کر رہا تھا اسی زمانے میں بعض دوسرے سائنسدان حرارت کے نئے نئے منبعے دریافت کرنے میں مصروف تھے۔ ۱۸۹۵ء میں راجن کی X-Rays کی دریافت کے بعد پروفیسر ہنری بیکورل نے اس میں بڑی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ اور اس نے ۱۸۹۶ء میں یورینیم سے ایک نئی قسم کی شعاع (Radiation) کی دریافت کا اعلان کیا اس دریافت کے ساتھ ہی میری اور لیبیری کیوری نے اس عجیب و غریب نوعیت کے اشعاع پر اپنے تجربات شروع کر دیئے اور انہوں نے یہ دریافت کیا کہ یورینیم کے علاوہ تھوریم میں بھی تابکار مادہ موجود ہے لیکن ان کا اصل کارنامہ ریڈیم کی دریافت تھی۔ جو کہ یورینیم اور تھوریم سے لاکھوں گنا زیادہ تابکار ہے اور اس عظیم الشان دریافت پر ہی انہیں نوبل پرائز دیا گیا۔ بعد ازاں ردرفورڈ نے اس کام کو اور آگے بڑھایا اور یہ بات سامنے آگئی کہ بنیادی عناصر بھی وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تابکاری کی وجہ سے اپنی نوعیت تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح تابکاری کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے معدنیات کی عمر معلوم کرنے کا ایک نیا ذریعہ ہاتھ آگیا۔ تابکاری سے عناصر کی نوعیت کے بدلنے کے انکشاف کے بعد اشیاء کی عمر معلوم کرنے کا یہ جدید طریقہ پہلے

تمام طریقوں سے بدرجہا زیادہ قابلِ اعتماد ہے اور اس لئے بعد میں آنے والے سائنسدانوں نے دنیا کی عمر کا اندازہ تابکاری کے وقت پیما سے لگانا شروع کیا۔ ان کے یہ تجربے اور تجزیے انتہائی پیچیدہ مراحل سے گزرتے ہیں۔ لیکن جن نتائج تک وہ پہنچتے ہیں۔ وہ محض غیر حقیقی اور ذاتی تصورات نہیں کہلائے جا سکتے کیونکہ ان نتائج تک دنیا کا کوئی سائنسدان جو اس علم میں ماہر ہو پہنچ سکتا ہے اور تجربہ کو دُہرا کر اپنی تسلی کر سکتا ہے جب بھی کوئی نیا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو دنیا کو اس سے آگاہ کیا جاتا۔ تو دنیا کے تمام ماہر سائنسدان اس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کے بعد اور پوری تسلی کرنے کے بعد مانتے ہیں۔ تجزیے کا عمل دنیا کے مختلف مقامات سے حاصل کردہ پرانی سے پرانی چٹانوں کے ٹکڑوں پر کیا جا چکا ہے۔ اور ہر طرح کے کوائف جمع کرنے کے بعد نتائج تک پہنچایا گیا ہے اس طرح کوائف جمع کر کے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ پہلے اندازوں سے کافی مختلف بھی ہیں۔ اور زیادہ صحیح بھی اس طریقے سے دنیا کی عمر کا اندازہ ساڑھے چار ارب سال تک پہنچا ہے جو کہ اب تک دنیا کی کم سے کم عمر متصور کی جانی چاہیئے۔ کیونکہ نہیں ممکن ہے کہ زمین کا کوئی تابکار ٹکڑا ایسا بھی ہاتھ آجائے جس کی عمر کو تابکاری کے وقت پیما سے معلوم کیا جائے تو اس مدت سے بھی زیادہ

بن جائے۔

دنیا کی عمر معلوم کرنے کے مسئلہ پر مختلف ممالک میں بڑی بڑی تجربہ گاہوں میں کام ہو رہا ہے۔ سائنسدانوں کی کمیٹیاں مقرر ہیں جو انتہائی جستجو اور محنت سے اس سوال کے حل کرنے میں کوشاں ہیں۔ ان میں بڑے بڑے حساب دان ماہرین طبعیات۔ فلکیات اور طبقات الارض شامل ہیں۔ ہر سال کئی کتب اور رسائل شائع ہوتے ہیں۔ موجودہ سائنسدانوں میں امریکہ کے جے لورنس کالپ جو کہ رصدگاہ سے منسلک ہیں علم ارضیاتی کیمیا کے شعبہ کے ڈائرکٹر ہیں۔ اس مسئلہ کے بہت بڑے محقق ہیں اور انہیں خاصی کامیابی اور شہرت حاصل ہے۔ ماہ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں روس میں یوکرینی کے سائنسدانوں نے ”زمین کی سوانح حیات“ سے متعلق انتہائی جانفشانی سے نقشے تیار کر کے شائع کئے ہیں۔ انہوں نے زمین کی عمر معلوم کرنے کے لئے اپنی ریڈیالوجی کی تجربہ گاہوں میں دو ہزار سے زیادہ تجربات کرنے کے بعد اپنے نتائج مرتب کئے ہیں۔ ان سائنسدانوں کو ZAPOROZHY شہر کے قریب زمین کا ایک ایسا طبقہ ملا ہے جو کہ ساڑھے تین ارب سال پرانا ہے اسی طرح سے شمالی افریقہ میں بھی اتنی ہی پرانی عمر کے طبقات دریافت ہو چکے ہیں۔ کام بہرحال جاری ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس مسئلہ کا آخری جواب مل گیا ہے

محنت، قربانی اور استقلال

”آج میں جماعت کے نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ ان کو اپنے اندر محنت اور قربانی کی عادت پیدا کرنی چاہیئے۔ اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ کسی قوم کی حالت ترقی پذیر نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس قوم کے خواص و عوام میں محنت اور قربانی کی عادت نہ ہو۔ دنیا میں قوموں پر کئی شکلوں میں مشکلات اور کئی صورتوں میں ابتلاء آتے رہتے ہیں۔ مگر ان سب کا جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ استقلال اور بہادری سے ایسی مشکلات کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر یہ روح تبھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب نوجوان اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے ان کے مطابق کام بھی کریں۔ یعنی جتنی زیادہ ذمہ داریاں ہوں۔ اتنا ہی زیادہ کام بھی کیا جائے۔“

(فرمودہ ۱۷/۵/۲۶ - مطبوعہ الفضل ۱۶/۵/۶۱)

عبد السلام اسلام
لائلپور

"مژدۂ حق"

نوعِ انساں! ہے عبث شکوہ قسمت و تدبیر کا
احمدیت نے نقاب اُلٹا تری تقدیر کا

گردشِ ایام بدلی شمس مغرب سے چڑھا
دَور بدلایا گیا ہے دیکھ! چرخِ پیر کا

چند دیوانے بڑھے ہیں فاتحانہ شان سے
وقت آپہنچا ہے دو عالم کی اب تسخیر کا

اُٹھے ہیں عشّاق لے کر پھر نیا جوشِ جنوں
شور برپا چار سُو ہے نعرۂ تکبیر کا

گفتۂ حق مصطفےٰ را "رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْن"
"دیکھ نقشہ آج تو اِس خواب کی تعبیر کا"

آگیا بازارِ ہستی میں کوئی نقّاشِ نَو
رُخ بدلتا دیکھیئے دنیا کی اس تصویر کا

اشتراکیت! سنبھل! آئے ہیں دن اسلام کے
ٹمٹماتا ہے ستارہ اب تری تقدیر کا

اسمٰعیل ماجد ربوہ

عالمی مالیاتی تعاون

(اس سلسلہ کی پہلی کڑی ماہنامہ خالد کے جنوری کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے)

دنیا کے معاشی حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔ امیر و غریب ممالک کے درمیان حائل خلیج وسیع تر ہو رہی ہے۔ یقین کے ساتھ مستقبل کے بارہ میں کچھ کہنا آسان نہیں۔ اس معاشی کشمکش کی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثلاً

(ا) دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہے ایک طرف چند امیر ممالک ہیں تو دوسری طرف بہت سے غریب ممالک۔ غریب ممالک کے مسائل بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً پست معیارِ زندگی، بے پناہ بے روزگاری آبادی کا دباؤ۔ سرمایہ کی کمی۔ توازنِ ادائیگیوں میں خرابی وغیرہ۔ جبکہ امیر ممالک کو اول تو یہ مسائل درپیش ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو محدود پیمانے پر۔

غریب ممالک کو احساس ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ان کی ترقی کی کوششوں میں مدد نہیں کر رہے بلکہ ان کی غربت سے معاشی و سیاسی فائدے حاصل کر رہے ہیں اس احساس نے غریب ممالک کے عوام میں ترقی یافتہ اقوام کے خلاف حسد و نفرت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں۔

(ب) ہر چند کہ نو آبادیاتی دور (Colonialism) قریباً ختم ہو چکا ہے۔ تاہم سابق آقاؤں کی ہر وقت یہ کوشش رہتی ہے کہ ان کے سابقہ محکوم علاقوں میں ان کا معاشی و سیاسی اثر و رسوخ باقی رہے۔ لیکن سابق محکوم قومیں اب اس بات کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ سابق حکمرانوں کی ہر حرکت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اس صورتِ حال نے حالات کو مزید خراب کر دیا ہے۔

(ج) دنیا سیاسی طور پر گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے اس سیاسی رقابت نے دنیا کی معاشی حالت کو بھی اثرانداز کیا ہے۔

(د) امیر ممالک ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ وہ غریب ممالک سے اشیاء کم داموں پر خریدیں اور اپنی اشیاء زیادہ نرخ پر فروخت کریں۔ ان حالات میں شرح تبادلہ تجارت (Terms of Trade) غریب ممالک کے خلاف ہے جو ان کی غربت میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔ انہیں اپنی بے کسی اور مجبوری کا احساس ہے اور امیر ممالک کے خلاف نفرت کے جذبات میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے معیشت دان ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کی اہمیت کو سمجھ رہے ہیں کہ اگر ان مشکلات کو

حل نہ کیا گیا تو دنیا کا مستقبل نفرت و حقارت کے ہاتھوں تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

اس سے قبل کہ عالمی مالیاتی تعاون کے ان طریقوں پر جن پر عمل ہو رہا ہے یا اس سلسلہ میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں ان کے بارہ میں کچھ کہا جائے۔ مناسب ہو گا کہ عالمی مالیاتی تعاون کے اہم اصولوں پر غور کیا جائے۔ ان اصولوں کو عام الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(ل) دنیا کے تمام ممالک آپس میں ہمدردی کے جذبات رکھیں۔ اور ہر ممکن طریق سے معاشی ترقی میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

(ب) زر (Money) سے متعلقہ اصلاحات میں اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ اصلاحات امیر و غریب ہر دو اقسام کے ممالک کی معاشی ترقی میں مددگار ثابت ہوں۔

(ج) ایسے عالمی معاشی نظام (International eco-system) کی بنیاد ڈالی جائے جو کہ ممالک کے معیارِ روزگار اور قومی آمدنی پر ہر لحاظ سے مثبت اثر ڈالے۔

(د) ایسا طریق نہ ہو جو ممالک میں بے روزگاری کم کرنے کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں اضافہ کا رجحان (Inflation) پیدا کرے۔

(س) اور نہ ہی ایسا نظام ہو جو قیمتوں میں لگاتار گرنے کا رجحان (Deflation) لے آئے کیونکہ اس طرح معیارِ زندگی پر خطرناک حد تک برا اثر پڑتا ہے گویا نظام ایسا ہونا چاہیئے جس کی بدولت قیمتوں میں اضافہ (Inflation) ہوتا چلا جائے اور نہ ہی قیمتیں گرتی (Deflation) چلی جائیں۔ بلکہ ان ہر دو انتہاؤں میں توازن پیدا کرنے والے نظام کی ضرورت ہے۔

(ف) سکوں کی شرح تبادلہ (Exchange Rate) میں کمی (Devaluation) کے رجحان کو روکا جائے کیونکہ اس طرح بعض دوسرے ممالک بھی اپنی برآمدات کی مقدار بڑھانے یا قائم رکھنے کیلئے اس قدم کو اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(ی) ایک ایسے عالمی ادارے کی بنیاد ڈالی جائے جو غیر جانبداری سے اس بات کا جائزہ لیتا رہے کہ کہیں کوئی ملک مندرجہ بالا اصولوں کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہا۔

اب ہم ان اقدام کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو عالمی مالیاتی تعاون کے سلسلہ میں اٹھائے گئے ہیں۔ یا وقتاً وقتاً تجویز کئے گئے ہیں۔

(ا) عالمی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund) دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ فنڈ قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد دنیا میں زیادہ مستحکم اور پائیدار معاشی سرگرمیوں کی بنیاد ڈالنا تھا۔ یہ فنڈ عالمی مالیات کے اہم مسائل کے سلسلہ میں عمدہ مشورے دیتا رہتا ہے اور اس نے عالمی تجارت کو وسیع تر کرنے کے لئے

بعض مثبت اقدام اٹھائے ہیں۔ جن کی بدولت اکثر
ممبر ممالک کی قومی آمدنی اور معیار روزگار میں اضافہ
ہُوا ہے۔ نیز فنڈ اس بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ
ممبر ممالک سوائے اشد ضرورت کے شرحِ تبادلہ
(Exchange Rate) میں تبدیلیاں نہ لاتے
رہیں۔

لیکن اس فنڈ کی کچھ ایسی خامیاں ہیں جنہوں
نے ممبر ممالک خاص طور پر ایشیائی و افریقی ممالک
میں بددلی کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں مثلاً بعض
امیر ممالک سیاسی و معاشی طور پر انتظامیہ پر قابض
ہیں۔ اور فنڈ کی پالیسی ان ہی کی مرضی سے تبدیل
ہوتی رہتی ہے۔

اس کے علاوہ جمہوریہ چین اور روس جیسی
دو عظیم طاقتیں اس فنڈ کی ممبر نہیں جس کی وجہ سے
فنڈ کی افادیت پر بُرا اثر پڑا ہے۔

(۲) عالمی ترقیاتی بنک (I.B.R.D) یہ عالمی
ترقیاتی فنڈ (I.M.F) کا ایک ذیلی ادارہ ہے۔
اس ادارہ کی بنیاد بھی دوسری جنگِ عظیم کے بعد
ڈالی گئی تھی۔ جنگ کے مہیب نتائج کھل کر سامنے
آچکے تھے۔ یورپ میں معاشی تباہی سر پر کھڑی تھی
دوبارہ معاشی رفتار تیز کرنے کے لئے امداد باہمی
کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسی ضرورت
کے پیشِ نظر اس ادارے کا قیام وجود میں لایا گیا۔
عالمی ترقیاتی بنک (I.B.R.D) میں تمام
سرمایہ ممبر ممالک کا ہے۔ کل منظور شدہ سرمایہ ۲۱ ارب
امریکی ڈالر ہے۔ یہ بنک ترقیاتی کاموں میں ممبر ممالک
کی مدد کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں نجی سرمایہ
(Private capital) کو بھی استعمال
کرتا ہے۔ پاکستان کو منگلا ڈیم کی تعمیر کے سلسلہ
میں اس بنک نے خاصی مدد دی۔ لیکن اس بنک
کی بھی وہی بنیادی خامیاں ہیں۔ جو کہ عالمی مالیاتی
فنڈ (I.M.F) کی کارکردگی پر بُرا اثر ڈال
رہی ہیں۔

(۳) عالمی حساب بے باک کرنے کی یونین۔
(International Clearing Union)
یہ تجویز لارڈ کینز (Lord Kaynes)
نے حکومتِ انگلستان کو پیش کی۔ کینز نے اپنے
الفاظ میں اس یونین کا مقصد "وہ رقم جو کہ دوسرے
ممالک کو اشیاء برآمد کرنے سے حاصل ہو، اُسے
صرف دوسرے ممالک سے اشیاء درآمد کرنے پر
صرف کیا جائے۔"

اس مجوزہ یونین کے تحت اگر کوئی ملک برآمد
کے ذریعے زرِ مبادلہ کماتا ہے تو اس کے لئے یہ
امر ضروری نہ ہوگا۔ کہ وہ لازماً اسی ملک سے جسے
اس نے اشیاء برآمد کی ہیں۔ کمائے ہوئے زرِ مبادلہ
جتنی مالیت کی اشیاء درآمد کرے۔ بلکہ کمائی
ہوئی رقم کو عالمی کرنسی میں تبدیل کروا لیا جائے۔
جسے کینز نے بینسر (Bancor) کا نام دیا ہے
اس عالمی کرنسی کو مالک ملک صرف بیرونی ممالک
سے اشیاء کی خریداری کے لئے ہی استعمال کرے گا۔

اور اگر کچھ بچ جائے تو وہ کرنسی کے مالک ملک کے حساب میں یونین کے پاس رہے اس کرنسی کو وہ ملک بعد میں جس وقت بھی چاہے، بیرونی ممالک سے اشیاء خریدنے کے لئے صرف کرنے کا حقدار ہوگا۔

کینز کی یہ تجویز بہت اعلیٰ تھی۔ خاص طور پر غریب ممالک کو اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوتا کیونکہ امیر ممالک جو زیادہ قیمت پر اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ اور غریب ممالک سے سستے داموں ان کی برآمدات کو خرید کر سونے سے اپنے ذخائر بھرتے ہیں۔ ایسا نہ کر سکتے۔ بلکہ وہ کسی نہ کسی وقت اشیاء درآمد کرنے پر مجبور ہوتے۔ ورنہ ان کا کمایا ہوا زرِ مبادلہ یونین کے پاس پڑا رہتا۔

لیکن افسوس کہ اہلِ فرنگ خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ نے اس تحریک کی مخالفت کی اور یوں کینز کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

(۴) عالمی مرکزی بنک (World Centeral Bank) اس تجویز کا خالق پروفیسر ٹریفن (Prof. Triffin) ہے رابرٹ برنسٹین (Robert Bernt stein) نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔

ان ہر دو تجاویز کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے ہر ملک کا ایک مرکزی بنک ہوتا ہے اسی طرح ایک عالمی مرکزی بنک ہو۔ تمام ممبر ممالک کے مرکزی خزانوں میں جتنا سونا ہو وہ اس مرکزی عالمی بنک کی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ یہ ضروری نہ ہوگا کہ اس تمام سونے کو عالمی مرکزی بنک میں منتقل کر دیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس ہر ملک کا سونا اسی کے مرکزی بنک ہی میں رہے گا۔ ہاں وہ بنک عالمی مرکزی بنک کے صلاح و مشورے کے بغیر اُسے استعمال کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

اس طریقہ سے دنیا کے تمام مرکزی بنک ایک دوسرے سے منسلک ہو جائیں گے اور یوں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہونے کے سبب امداد باہمی کے امکانات زیادہ روشن ہو جائیں گے۔

اس مجوزہ بنک پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس تجویز پر عمل کرنا قریباً قریباً ناممکن ہے کیونکہ ہر ملک کے معاشی حالات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں تمام ممالک کے لئے ایک سی پالیسی پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ نیز امیر ممالک اپنا سیاسی و معاشی رسوخ یہاں بھی استعمال کریں گے۔ جس کے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔

(۵) عالمی انشورنس کمپنی۔ (International Insurance Company)

اس تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ممبر ملک کی برآمدات کی انشورنس کی جائے اور جس ملک کی برآمدات ایک خاص مقررہ حد سے گر جائیں۔ ان کا معاوضہ ادا کیا جائے۔ غریب ممالک کے لئے تو یہ تجویز بہت مفید ہے کیونکہ ان کی برآمدات ہر وقت خطرے سے گھری رہتی ہیں۔ لیکن امیر ممالک اس سکیم پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ ان کی برآمدات کو ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں۔ اگر ایسی انشورنس کمپنی وجود میں آجائے

تو انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ امیر ممالک کی مخالفت کی وجہ سے ابھی تک یہ تجویز پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی۔

(۶) عالمی بجٹ (International Budgets)

اس تجویز پر پروفیسر روزن ٹین راڈن (Prof. Rasentien Rodan) نے خاص طور پر زور دیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے عالمی بجٹ کے سلسلہ میں تجاویز پیش کیں جو رسالہ Review of Economics and Statistics مئی ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئیں۔

ان تجاویز میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ ہر سال ایک عالمی بجٹ بنایا کرے اس بجٹ کی وسعت، ممبر ممالک کی آمدنی اور خرچ کی گنجائش کے مطابق ہوا کرے۔

اقوام متحدہ کو ہر ممبر ملک میں ٹیکس لگانے کا اختیار بھی حاصل ہو۔ جو کہ ہر ملک کی قومی آمدنی کے حساب سے اس پر لگایا جائے لیکن یہ ضروری نہ ہوگا کہ اگر کوئی ملک زیادہ ٹیکس ادا کرے تو لازماً بجٹ کا معقول حصہ اسی ملک پر خرچ کیا جائے خرچ کا تعین بجٹ کی مرکزی کمیٹی خود کرے گی۔

لیکن اس بجٹ کی تجویز پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس قسم کے بجٹ میں ہر ملک کی قومی آمدنی کا باقاعدہ حساب رکھنا ہوگا۔ علاوہ ازیں کسی ملک میں سرمایہ کاری کرتے وقت سیاست اثر انداز ہوگی۔

ابھی تک جن تجاویز پر عمل ہو رہا ہے یا جو پیش کی گئی ہیں ان میں لارڈ کینز کی تجویز ارفع و اعلیٰ ہے لیکن افسوس کہ اہل فرنگ کی عیاریاں اس پر عمل نہیں ہونے دے رہیں۔

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل سے مدد لی گئی۔

(۱) International Monetary Co-operation by Tew.

(۲) Shaping the world Economy by Tinbergen.

(۳) Review of Economics and Statistics. May 1961.

مکرم صالح محمد صاحب ربوہ

مامون کے عہد میں علمی ترقی

مخبر صادق علیہ السلام نے خلافت راشدہ کے بارہ میں فرمایا تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کی کتاب الفتن میں ہے:۔

الخلافۃ ثلاثون سنۃ
ثمّ تکون ملکًا"

چنانچہ مشیتِ ایزدی کے باعث مدت مقررہ کے بعد یہ گوہر نایاب مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ اور ملوکیت قائم ہوگئی۔ گو ان بادشاہوں نے اپنے لئے خلیفہ کا لقب ہی پسند کیا۔ کیونکہ وہ خلافتِ راشدہ کی برکات سے واقف تھے مگر اب وہ پہلی سی بات نہ رہی تھی۔ تاہم اس دور میں بھی مسلمانوں نے دنیاوی شان و شوکت میں خوب ترقی کی۔

خلافتِ راشدہ کے فوراً بعد خلافت بنوامیہ کا دور آتا ہے جو ۱۳۲ھ تک رہا۔ بعد ازاں یہ ملوکیت بنو عباس میں منتقل ہو گئی۔ ملوکیت کے اس طویل دور میں دنیاوی دولت عزت و وجاہت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علمی میدان میں بھی خوب ترقی کی۔ ان بادشاہوں میں سے بعض نے اپنی علم دوستی کا ثبوت بڑی عمدگی سے دیا۔ ان علم دوست بادشاہوں میں سے ایک مامون بھی تھا۔

مامون ۱۹۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲۱۸ ہجری میں وفات پائی اس ۲۰ سالہ عرصہ میں علم و فن نے خوب ترقی کی۔ مامون کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی گئی تھی۔ تعلیم کے لئے ہر فن کے ماہر مقرر کئے گئے تھے۔ مامون کو علم سے فطری مناسبت تھی۔ خلفاء کی تاریخ میں ایسا صاحب علم خلیفہ کوئی نہیں ہوا۔ اس کا شمار عہد کے اکابر علماء میں تھا۔ تاریخ الخلفاء میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ کان المامون امّارا بالعدل فقیہ النفس یُعدّ من کبار العلماء۔
(تاریخ الخلفاء صـ۳۱۱)

مامون کو علم تفسیر۔ فقہ۔ ادب۔ شاعری نجوم۔ ریاضی غرضیکہ ہر فن میں کافی دسترس حاصل تھی۔ حافظِ قرآن بھی تھا۔ ان کمالات کے ساتھ وہ علماء پرور اور حکماء نواز بھی تھا۔ اس لئے اس کا دربار اہل کمال کا مرجع و مرکز بن گیا۔

سلطنت عباسیہ کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ دارالترجمہ

کے نام سے تصنیف و تالیف کا الگ شعبہ قائم کیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے دار الترجمہ کا نام بیت الحکمت رکھا اور اسے ایک مستقل محکمہ کی صورت دے کر مختلف اقوام و مذاہب کے علماء کو گراں بہا تنخواہوں پر ملازم رکھا۔ اور غیر زبانوں سے بیسیوں کتب کا عربی میں ترجمہ کروایا لیکن اس دار الحکمت سے صحیح معنوں میں فائدہ مامون نے اٹھایا۔ اور اسے خوب وسعت دی۔ اور اپنے دادا کے شروع کئے ہوئے کام کو کمال تک پہنچایا۔ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں کہ مامون اپنے نفس فاضل کی قوت سے علوم کو ان کے خزانوں اور معدنوں سے نکالنے پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ اس نے سلاطین روم سے خوشگوار تعلقات پیدا کئے ان کو بڑے بڑے تحائف بھیجکر بدلے میں ان سے یونانِ قدیم کی علمی کتب طلب کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب عقلی علوم روما میں ایک مصیبت سمجھے جاتے تھے مامون کے مطالبہ پر جب قیصر نے کتابوں کی تلاش شروع کی تو ایک خانقاہ نشین راہب نے بتایا کہ فلاں مقام پر ایک مقفل مکان میں قسطنطین نے تمام یونانی کتابیں بند کرادی تھیں۔ اور اس وقت سے جو بادشاہ آتا ہے اس دروازے پر ایک قفل کا اضافہ کرتا ہے کہتے ہیں جب مامون کا خط تحائف کے ساتھ قیصر روم کے دربار میں پہنچا جس میں علمی کتب کا مطالبہ تھا تو اس نے مذہبی پیشواؤں کو بلا بھیجا اور پوچھا۔ کہ اگر یہ کتابیں مسلمانوں کو دی جائیں تو کوئی حرج تو نہیں؟

تو انہوں نے جواب دیا۔ ارسلھا الیھم فواللّٰہ ما دخلت ھذہ العلوم فی امۃ الا افسدتھا۔ یہ چیزیں علوم عقلیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور علوم عقلی مذہب کی بنیادیں ہلا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کتب مسلمانوں کے پاس بھیج دی جائیں تاکہ ان میں گمراہی پھیلے اور ہم ان کے آئےدن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ان کتب کے لانے کے لئے بیت الحکمت کے ناظر اعلیٰ کو روانہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ قیصر نے مشورہ کے بعد افلاطون، ارسطو، جالینوس، اقلیدس، بطلیموس۔ سقراط۔ بقراط۔ اور دیگر یونانی حکماء اور اطباء اور ماہرین ہیئت کی چیدہ چیدہ کتب اس کے حوالے کر دیں۔

مامون نے ماہر مترجمین سے ان کتب کا ترجمہ کروایا۔ اور مملکت بھر میں وسیع پیمانے پر ان کتب کی اشاعت کی۔ نتیجۃً گھر گھر میں منطق اور فلسفہ پر بحث ہونے لگی۔

علماء اور صاحب وجاہت لوگوں نے مامون کی یہ علم دوستی ملاحظہ کی اور دیکھا کہ مامون وابستگانِ علم کو اپنا مقرب خاص بناتا ہے۔ اور ان کی صحبتوں میں بیٹھکر ان کے مناظروں اور علمی بحثوں سے لطف اندوز ہوتا ہے تو ان میں مسابقت کی روح پیدا ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں بعد میں آنیوالوں کے لئے مختلف علوم کی راہیں ہموار اور آسان ہو گئیں تا آنکہ عباسی حکومت رومیوں کے عہد کمال کا مقابلہ کرنے لگی

مامون کے اس علمی ذوق و شوق اور حوصلہ افزائی سے ارکانِ دولت صاحب وجاہت اور ارباب ثروت بھی ادھر مائل ہو گئے اور چند دنوں میں جزیرہ عراق۔ شام اور فارس کے اچھے مترجمین بغداد میں جمع ہو گئے۔ ان میں نسطوری، یعقوبی۔ صابی، مجوسی، رومی اور براہمہ سب قسم کے لوگ تھے۔ یہ سب یونانی۔ فارسی۔ سریانی، سنسکرت۔ نبطی لاطینی اور قبطی وغیرہ زبانوں کی کتب کو عربی میں منتقل کرتے تھے۔

اس زمانہ میں یونانی کتب میں سے فلسفہ ادب میں افلاطون، ارسطو اور طب میں بقراط۔ جالینوس اور ریاضیات و نجوم میں اقلیدس ارخمیدس اور بطلیموس وغیرہ کی کتب کے علاوہ فارسی کتب میں سے کلیہ و دمنہ۔ ہزار داستان جیسی ادبی کتب کا ترجمہ بھی عربی میں کیا گیا۔ اسی طرح سنسکرت اور ہندی زبانوں میں سے طب۔ نجوم۔ ریاضیات حساب اور تاریخ کی قیمتی کتب عربی میں ترجمہ ہوئیں مامون کے زمانہ کی علمی ترقی کی تفصیل بڑی طویل ہے اس موضوع پر بہت سے مصنفین نے خامہ فرسائی کی ہے۔ میری رائے میں جملہ مصنفین میں سے مصر کے الدکتور احمد فرید رفاعی کی کتاب "عصر المامون" بڑی مفید کتاب ہے۔

رصدگاہ کا قیام :۔

عہدِ مامونی میں علم ہیئت نے بھی خصوصیت سے ترقی کی۔ چنانچہ مامون نے اسد بن علی۔ خالد بن عبدالملک اور یحییٰ بن منصور ناظم اعلیٰ بیت الحکمت جیسے ماہرین کو بلا کر بطلیموس کے بتائے ہوئے طریقے پر شماسیہ کے مقام پر کواکب کے ارصاد کے لئے تاریخ اسلام کی پہلی رصدگاہ قائم کروائی یہ رصدگاہ رصدِ مامونی کے نام سے مشہور تھی۔

کرۂ ارض کی پیمائش :۔

مامون کو زمین کی پیمائش کا شوق ہوا۔ چنانچہ چند ماہرین کو اس کام پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے سنجار کے وسیع و عریض میدان میں نہایت اہتمام سے کرۂ ارض کی پیمائش کی۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس کا محیط ۲۴ ہزار میل نکلا۔ لیکن مامون کی اس سے تشفی نہ ہوئی اور کہا کہ کسی دوسرے مقام پر بھی اس طریق سے تحقیقات کی جائے۔ چنانچہ صحرائے کوفہ میں یہی تجربہ پھر سے دہرایا گیا۔ اس سے بھی پہلی تحقیق کی توثیق ہوئی۔

دوربین کی ایجاد :۔

ان سائنٹیفک تجربات کے علاوہ ابوالحسن نامی ایک ہیئت دان نے دوربین ایجاد کی۔ جو اس زمانہ کے لحاظ سے محیّر العقول کارنامہ تھا۔

ان تمام باتوں کے علاوہ مامون کا معمول تھا کہ ہر منگل کے دن اپنے دربار میں بحث و مناظرہ کی محفل منعقد کرتا جس میں تمام مذاہب کے علماء کو اظہار خیال کا موقعہ دیتا۔ اس اجازت سے معتزلیوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور ان کے دلائل نے مامون کو بہت متاثر کیا۔ اور وہ اس تحریک کا زبردست حامی بن گیا۔

خصوصاً مسئلہ خلقِ قرآن میں تو وہ معتزلیوں سے بھی چار قدم آگے نکل گیا۔ مختلف قوموں اور مذہبوں کے علماء کی صحبت نے مامون کو آزاد خیال بنا دیا تھا اور خلقِ قرآن کا عقیدہ اسی آزاد خیالی کا نتیجہ تھا۔ اس بارہ میں مامون نے اتنا غلو کیا کہ عوام کو زبردستی اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کیا اور اس بارہ میں بڑی سختی کی۔ حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر بزرگ اور محدث نے جب اس کے اس اعتقاد کی تائید سے انکار کیا تو انہیں گرفتار کرنے کا حکم صادر کیا

بہر حال مامون کے عہد کی علمی ترقی اسلامی تاریخ میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں تو صرف ایک عباسی خلیفہ کے علمی کارناموں کا ذکر کیا ہے ورنہ مسلمانوں نے اس میدان میں جو ترقیات حاصل کی ہیں۔ ان کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہی نہیں محال ہے ؛

آم کا سکوئش

Mango Squash.

آجکل آم کا موسم ہے خدام اپنا سکوئش خود سستا اور عمدہ تیار کر سکتے ہیں ذیل میں طریقہ دیا جا رہا ہے۔

پکے ہوئے رسدار اور ترش آم لیں۔ پھل کو دھو کر کچھ دیر کیلئے گرم پانی میں رکھیں جب نرم ہو جائیں تو آہستہ آہستہ ملیں تاکہ رس پتلا ہو جائے۔ کسی برتن میں رس نکال لیں۔ چھلکے اور گٹھلیاں پھینک دیں۔ رس کا وزن کر کے حسب ذیل طریقہ سے باقی اشیاء ملا دیں۔

نسخہ :-

(۱) رس	۵ سیر
(۲) پانی پکا ہوا	آدھ سیر
(۳) کھانڈ	ایک سیر
(۴) سٹرک ایسڈ	۱½ اونس (¾ چھٹانک)
(۵) پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ	ایک گرام (تقریباً ایک ماشہ)

ترکیب :- سب اشیاء کو سوائے پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ کے اچھی طرح حل کر لیں۔ اور ململ کے کپڑے میں اچھی طرح چھان لیں اب ایک ماشہ پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ کو کم از کم گرم پانی میں حل کر لیں۔ سکوئش کو بوتلوں میں جو پہلے سے اچھی طرح صاف کی ہوئی ہوں بھر دیں، ہر بوتل میں حصہ کے مطابق پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ کا محلول ڈالکر اچھی طرح کارک فٹ کر دیں اور کسی پیالی میں موم پگھلا لیں۔ ہر بوتل کے منہ کو اس میں ڈبو دیں تو بوتلیں اچھی طرح بند ہو جائیں گی۔ اور ہوا داخل نہ ہو سکے گی۔ کسی ٹھنڈی جگہ سٹور کر لیں ؛

ہدایات :- (۱) پھل پکا ہوا اور بے داغ ہونا چاہیئے۔ (۲) ایلومینیم، شیشہ۔ پلاسٹک یا سٹین لیس سٹیل کے برتن استعمال کریں (۳) یہ مدنظر رکھیں کہ بوتلوں میں ڈالنے سے پہلے چینی حل ہو چکی ہو۔ (۴) کارک اگر استعمال سے پہلے ابال لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ (۵) میٹھے آموں کی بجائے ترش آموں کا رس زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ (۶) اگر آم کے رس میں ¼ حصہ مالدہ یا لنگڑا آم کا رس ملا دیا جائے تو خوشبو اور ذائقہ اچھا ہو جاتا ہے

(مہتمم صنعت و تجارت خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

منور احمد انیس
مدیر اعلیٰ المنار (انگریزی)

سرد موت!

رحمِ مادر میں پیدائش سے سفید کفن میں لپٹی لاش پر پڑی پھولوں کی چادر تک زندگی لاتعداد تعاملات و افعال سے عبارت ہے۔ موت حیات کے رُخِ روشن کا ایک سیاہ بدنما داغ ہے جو حیات کی تمام تر رعنائیوں اور نیرنگیوں کو فنا کر دیتا ہے اور ظہور ترتیب اجزاء پریشاں ہو کر رہ جاتا ہے۔ بچپن اور جوانی زندگی کے بھرپور دور ہیں۔ ان کے بعد مسکراہٹ پھیکی پڑ جاتی ہے۔ گٹھا جسم ڈھلنے لگتا ہے۔ اور انسان آہستہ آہستہ بیتی یادوں کو لئے موت کے بے رحم ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔

انسان کیوں مرتا ہے ۔۔؟ موت کی حقیقت کیا ہے؟

انسان نے ہمیشہ ان سوالوں کا جواب چاہا ہے اور موت کو ہمیشہ تحیر کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس نے اس کی حقیقت جاننے کے علاوہ اس پر قابو پانے یا اسے ملتوی کرنے کی کوششیں بھی کی ہیں۔ انسان کی یہ خواہش بہت پرانی ہے اور گزشتہ زمانوں میں انسان نے آبِ حیات کی بے سود تلاش اسی خواہش کی تکمیل کے لئے کی۔ پرانے بادہ کش یونہی اٹھتے رہے مگر آبِ بقائے دوام میسّر نہ آسکا۔

جدید سائنسی و فنّی ترقی نے انسان کی اس صدیوں پرانی خواہش کو نئی راہ سجھائی ہے۔ اور آج انسان ضدِ کائنات، ضدِ مادہ اور ضدِ میزائلوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ ضدِ موت ہتھیاروں کی تحقیق میں بھی مصروف ہے حیاتیاتی علوم میں کیمیائی اور طبیعیاتی تحقیقات کے باعث بہت مفید اضافے ہوئے ہیں اور زندگی اور اس کے مضمرات کو سائنسی بنیادوں پر بہتر طور پر جانچنا ممکن ہو گیا ہے آج انسان حیات کو پہلے سے بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے اور یوں اس افسانوی آبِ حیات کی جگہ لینے کے لئے ایک مادی اور حقیقی ہتھیار کی پیدائش کا وجود ممکن نظر آتا ہے جو التوائے موت کا باعث ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں حیات کے عرصہ کو طویل تر کر دے۔

تحقیق شاہد ہے کہ موت یکلخت واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ موت کا عمل بتدریج ظہور میں آتا ہے اور آہستہ آہستہ بافتیں اور خلیئے اپنی کارکردگی کھو بیٹھتے ہیں۔ اس بنیاد پر موت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی Clinical Death جس میں جاندار بظاہر مردہ ہو جاتا ہے مگر اس کے خلیوں اور بافتوں میں زندگی کے آثار موجود رہتے ہیں۔ اور Biological Death جس میں جاندار کے تمام خلیوں اور بافتوں کو اس قدر شدید نقصان پہنچ جاتا ہے کہ ان کو دوبارہ حیات کے معمول پر لانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان حقائق نے سائنس کی ایک نئی شاخ Reanimatology کو جنم دیا۔ جس کی تحقیق ایسے ذرائع کی تلاش پر مرکوز ہے جن کے ذریعے حیاتیاتی موت کے ذریعے ہونے والے ناقابلِ تلافی نقصان کو بچایا جا سکے۔ اور یوں بظاہر مردہ

جانداروں کو دوبارہ حیات بخشی جا سکے۔ ظاہری موت (Clinical Death) اور حیاتیاتی موت کے درمیانی وقفہ میں بافتوں کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوتی ہے اور ایک لمحہ ایسا آجاتا ہے کہ ان بافتوں کی مرمت ناممکن ہوجاتی ہے۔ اگر اس درمیانی وقفہ میں بافتوں کو ٹوٹ پھوٹ سے بچا یا جائے۔ اور ان کے اس تخریبی عمل کو روک دیا جائے تو ظاہری موت کی وجوہات کو ختم کر دینے کے بعد انہی بافتوں کو دوبارہ معمول پر لانا عین ممکن ہے۔

ظاہری اور حیاتیاتی موت کے وقفے میں واقع ہونیوالے تخریبی عمل کو روکنے کے آسان ذرائع میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ظاہری موت وقوع پذیر ہوتے ہی پھیپھڑوں اور قلب کا فعل قائم رکھنے کے لئے مصنوعی دوران خون و مصنوعی تنفس کا اطلاق قلب کے فعل کو برقرار رکھنے کے لئے برقی جھٹکے" قلب کی مالش اور مصنوعی تنفس یا اگر حالات مانع نہ ہوں تو جاندار کے تحولی تعاملات کو معمول پر لانے کے لئے Heart Lung Machine کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ تمام ذرائع وقتی افادیت کے حامل ہیں اور ان سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ نیز لمبے عرصے تک جاندار کو یوں مصنوعی طور پر زندہ رکھنا بھی ممکن نہیں۔

تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ اگر زندہ بافتوں کو انتہائی سرد درجہ حرارت (نقطۂ انجماد سے کئی گنا کم) پر رکھا جائے تو ان بافتوں کے تحولی تعاملات بالکل رک جاتے ہیں۔ اور بافت کو جسم سے علیحدگی کے باعث پہنچنے والے نقصان کا امکان بھی نہیں رہتا۔ چونکہ بافتوں کے تعاملات رک جاتے ہیں اس لئے بافت کی ٹوٹ پھوٹ بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ جسم سے علیحدگی کے وقت وہ بافت جس صورت میں تھی اسی صورت میں قائم رہتی ہے۔ یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ اگر ایسی بافتوں کو دوبارہ عام درجہ حرارت پر لایا جائے۔ تو ان کے تعاملات دوبارہ شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بافتوں کو محفوظ کر لینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں ایسے سرد خانوں میں رکھا جائے جہاں درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے کئی گنا کم ہو۔ تاکہ یہ بافتیں بلا کسی ٹوٹ پھوٹ کے قائم و دائم رہیں۔

ان تحقیقات کی بدولت حیاتیات کی ایک نئی شاخ Cryobiology کا قیام عمل میں آیا۔ Cryo یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے انتہائی سرد۔ گویا اس نوزائیدہ شاخ کو ہم "سرد حیاتیات" کا نام دیں تو غلط نہ ہوگا۔ اس کا دوسرا نام Cryogenics بھی ہے۔ سرد حیاتیات کے ذریعے بنیادی طور پر تحقیق بافتوں کو بہتر طور پر محفوظ کرنے، درجۂ حرارت کے اثرات اور بافتوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر مرکوز ہے۔ زندہ بافتوں کو منجمد کرنے کے لئے مختلف کیمیائی آمیزے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ یہ آمیزے ان بافتوں کا درجۂ حرارت منفی ۴۰۰ - ۵۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ تک کم کر سکتے ہیں۔ کیمیائی مرکب ڈائی میتھائل سلفوکسائڈ DM.SO اور مائع نائٹروجن ایسے تجربات کے لئے کثیر طور پر مستعمل ہیں۔ جانوروں کی مختلف بافتوں کو ان کیمیائی آمیزوں

اور مرکبات کے ذریعے منجمد کرنے کے تجربات بہت کامیاب رہے ہیں۔ مثلاً ایک تجربہ کے دوران ایک بلی کے دماغ کی مکمل بافت کو زندہ حالت میں علیحدہ کر کے منجمد کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ دماغی بافتیں جسم کی دوسری بافتوں کی نسبت بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور صرف پانچ چھ منٹ کے اندر اندر حیاتیاتی طور پر مردہ ہو جاتی ہیں۔

دماغی بافتیں زندہ حالت میں خفیف برقی رد پیدا کرتی ہیں۔ جو در اصل اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بافتیں معمول کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ بلی کی دماغی بافتوں کو علیحدہ کرنے کے بعد ان کی برقی کیمیائی ماہیت کو برقی پیمانوں (E.E.G) سے ماپا گیا اور پھر انہیں منجمد کر دیا گیا۔ تقریباً چھ ماہ بعد جب ان بافتوں کو اس سرد نیند سے جگایا گیا اور ان کی برقی کیمیائی ماہیت جانچی گئی تو یہ عین اس ماہیت کے مطابق تھی، جو انجماد سے پہلے معلوم کی گئی تھی۔ اس طرح یہ ثابت ہوا۔ کہ اتنے لمبے عرصے تک دماغ کی نازک بافتوں میں کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ اصل حالت میں موجود رہیں۔ عمل انجماد کے ذریعے صرف یہ کیا گیا کہ تخریبی تعاملات کو روک دیا گیا۔ اور یوں یہ نازک بافت بالکل محفوظ رہی۔ دنیا بھر میں اس قسم کے تجربات کئے جا رہے ہیں۔ اور بافتوں کا درجہ حرارت پر رد عمل کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

ان تجربات کی کامیابی نے چند امریکی سائنسدانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اگر انسانی جسم کو اسی طور پر منجمد کر دیا جائے اور سرد خانے میں محفوظ کریں۔ تو کیا اس منجمد جسم کو دوبارہ زندہ کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے تجربات کا آغاز یوں کیا کہ ایک سرطان زدہ شخص کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وہ اپنا جسم اپنی ظاہری موت کے بعد ان تجربات کے لئے وقف کر دے۔ سرطان زدہ شخص اس خیال کے تحت راضی ہو گیا کہ شاید یہ تجربات اس کی مفلوج زندگی کے لئے امید کی نئی کرن ثابت ہوں تجربہ کی کامیابی کے لئے تمام ساز و سامان مناسب وقت میں تیار کر لیا گیا۔ چنانچہ جونہی اس شخص کی ظاہری موت کا آغاز ہوا۔ اور ظاہری طور پر وہ شخص مردہ ہو گیا۔ تو ماہرین نے اس شخص کو مصنوعی تنفس و مصنوعی فعل قلب کے ذریعے زندہ رکھا تاکہ دماغی بافتوں کو تباہ ہونے سے بچایا جا سکے اس کے بعد اس شخص کو خاص کیمیائی آمیزوں و مرکبات کے ذریعہ عارضی طور پر منجمد کر دیا گیا۔ تاکہ مستقل انجماد کے انتظامات مکمل کئے جا سکیں۔ جب یہ تمام انتظامات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو اس شخص کو ایک ایسے سرد خانے میں منتقل کر دیا گیا جس کے گرد مائع نائٹروجن مستقل گردش میں تھی۔ اور درجہ حرارت منفی 320° تھا۔ یہ شخص آج بھی اسی حالت میں ہے اور ماہرین پر امید ہیں کہ اگلے چند برسوں میں جب سرطان کا کامیاب علاج دریافت ہو جائے گا تو اس شخص کو اس سرد نیند سے جگایا

جائے گا۔ اس کا علاج کیا جائے گا۔ اور یوں اس
بات کی امید ظاہر کی گئی ہے کہ وہ شخص صحت مند
زندگی کے چند برس اور گزار سکے۔

اس قسم کے تجربات سے عوام نے یہ نتیجہ اخذ
کیا کہ حیات کا عرصہ دراز کرنا یا موت کا التواء ممکن ہے،
چنانچہ واشنگٹن ڈی سی کے ایک امریکی
EV COOPER نامی نے باقاعدہ ایک انجمن
قائم کر لی ہے جس کا نام Life Extention
Society (L.E.S) ہے۔ اس انجمن کا مقصد یہ ہے
کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس بات پر راضی کیا جائے
کہ وہ اس قسم کے تجربات کے لئے اپنے جسم وقف
کریں۔ اور ایسے لوگوں کی ظاہری موت کے بعد ان کی
خواہش کے تحت انہیں سردخانوں میں محفوظ کر دیا
جائے اس امید پر کہ ان کی بیماریوں کا علاج دریافت
ہو جانے پر انہیں دوبارہ صحت مند زندگی بخشنا
ممکن ہو جائے گا۔ اس انجمن میں اب تک بہت سے
لوگوں نے اپنے نام درج کرائے ہیں اور اپنے
وصیت نامے داخل کر دیئے ہیں۔ کہ ان کی وفات کے
بعد انہیں مائع نائٹروجن کے سردخانوں میں محفوظ
کر دیا جائے۔ اس انجمن کے اراکین انجماد کے نت
نئے طریقوں پر تحقیقات کرتے ہیں۔ اور ان تجربات
کے اثرات کا مطالعہ جدید سائنسی ترقی کی روشنی
میں کیا جاتا ہے۔ انجمن کا ایک ماہوار رسالہ
"Freeze-wait-Reanimate"
شائع ہوتا ہے۔ جس میں ان تحقیقات کے نتائج اور
انجمن کی کارگزاری شائع کی جاتی ہے بہت سے
غیر ملکوں میں بھی اس انجمن کے اراکین کام کر رہے ہیں

تحقیق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بڑھاپے
کی وجوہات کا سراغ لگایا جائے۔ یعنی یہ معلوم کیا
جائے کہ بڑھاپا کس طرح جسم کی بافتوں کو متاثر
کرتا ہے اور عمر کے ساتھ بافتوں کی قوت مزاحمت
کیونکر کمزور ہو جاتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ
ساتھ بافتوں پر جو مخصوص کیمیائی اثرات مرتب ہوتے
ہیں۔ ان کا مطالعہ بھی کیا جا رہا ہے۔ اس علم کا نام
Geronitology ہے۔ بڑھاپے کے اثرات
اور بڑھاپے کی وجوہات کا سراغ انجماد کے طریقوں میں
یقیناً تبدیلی کا باعث ہو گا۔ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم
ہو سکے گا۔ کہ آیا کسی ایسے کیمیائی مرکب کی تیاری ممکن ہے،
جو بافتوں کو بوڑھا ہونے سے بچا سکے۔ نیز اس بات کی
تصدیق بھی ہو سکے گی کہ منجمد بافتیں بڑھاپے کے عمل
سے متاثر نہیں ہوتیں۔

ماہرین انجماد کے طریقوں کو اس لئے فروغ دے
رہے ہیں کہ بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جن کا علاج آج ممکن
نہیں چنانچہ ان مریضوں کا عرصۂ حیات طویل کرنے اور انہیں
مستقبل میں بہتر زندگی کے مواقع فراہم کرنے کیلئے اگر آج
منجمد کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ مستقبل میں دوبارہ انہیں
زندگی دی جا سکے تحقیق جاری ہے، دیکھئے وقت کیا خبر لائے۔

(اس مضمون کی تیاری کے سلسلہ میں امریکی انجمن L.E.S.
کے ڈائریکٹر جناب EV. COOPER صاحب کا ممنون
ہوں جنہوں نے مطلوبہ مواد فراہم کرنے میں مصنف کی مدد کی)

ملک افضل حسین
انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

"موتیوں کی لڑی"

شام کا وقت تھا۔ سورج آگ برسا کر اپنے ٹھکانے پر واپس جا رہا تھا۔ گرم ہوا اپنی شدت میں کمی کر رہی تھی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا کے باہر چالیس پچاس لڑکے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک ایک کار آتی دکھائی دی۔ سب ہوشیار ہو گئے۔ کار میں سے ایک بزرگ اُترے۔ سفید لباس میں ملبوس۔ سفید داڑھی۔ اور سفید رنگ۔ ہاتھ میں سوٹی اور سر پر رومی ٹوپی لڑکوں نے باری باری ان سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد وہ لڑکوں کی معیت میں اندر تشریف لائے۔ سب لڑکے ادب اور وقار سے ان کے گرد بیٹھ گئے یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی تقریب ہے۔ لیکن نوجوانوں کی تقریب اور اتنا وقار اور سنجیدگی؟ حیرت حیرت!!

جب سب لڑکے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تو ایک صاحب اُٹھے اور کیفے ٹیریا کی فضا تلاوت کلام پاک سے گونج اٹھی۔ کیفے ٹیریا اور تلاوت؟ کیفے ٹیریا تو وہ جگہ ہے جہاں نوجوان اپنے ذہن کو آزاد کر دیتے ہیں۔ یہ آزادی بے حجاب الفاظ کا روپ دھار کر اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ لیکن آج کے اس اجتماع میں خدائے بزرگ کا کلام پڑھا جا رہا تھا۔

تلاوت کے بعد ایک نوجوان کھڑے ہوئے انہوں نے بڑے خلوص سے ان لڑکوں کو خوش آمدید کہا جو اس سال انجینئرنگ یونیورسٹی میں آئے ہیں۔ پھر انہوں نے ان طالب علموں کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا جو اس سال انجینئر بننے والے ہیں۔ آنے والوں اور جانے والوں کا حسین امتزاج!

جب یہ کارروائی ختم ہوئی تو تعارف کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر لڑکا باری باری اٹھتا اور اپنا تعارف کرواتا۔ کسی کا وطن سیالکوٹ تھا۔ کوئی بھیرہ سے آیا تھا۔ کوئی جہلم کا تھا تو کسی کی مٹی لاہور کی تھی۔ مشرقی پاکستان کی فضاؤں کے پلے ہوئے بھی تھے۔ ربوہ کو بھی وافر نمائندگی حاصل تھی۔ غرضیکہ پاکستان کے مختلف شہروں سے لڑکے آئے ہوئے تھے۔ ان کی کلاسیں مختلف تھیں ان کی عمروں میں فرق تھا۔ ان کے شہر جدا جدا تھے۔ آخر یہ کس طرح اکٹھے ہو گئے۔ بظاہر تو کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔ در اصل یہ تعلق دنیاوی نہ تھا بلکہ یہ لوگ روحانی لڑی میں پروئے ہوئے موتی تھے۔ وہ لڑی احمدیت کی تھی اور یہ موتی انجینئرنگ

یونیورسٹی کے احمدی طالب علم تھے ، موتیوں کی یہ لڑی کتنی حسین تھی! یہ پارٹی فرسٹ ایر والوں کو خوش آمدید اور فائنل ایر والوں کو الوداع کہنے کے لئے دی جا رہی تھی۔ اللہ اللہ! بے تکے شور اور کھوکھلے قہقہوں سے پاک تقریب ـــ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

جب نوجوانوں کے تعارف کا سلسلہ ختم ہوا تو ان بزرگ نے اپنا تعارف کروایا۔ فرمانے لگے۔ میرا نام اسد اللہ خان ہے۔ سمجھے آپ یہ کون تھے؟ لاہور کی جماعت احمدیہ کے امیر۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے چھوٹے بھائی۔ بوڑھے ہیں۔ لیکن عزم جوانوں جیسا ہے۔ آئیے ذرا ان کی باتیں سنیں!

اپنے خاندان میں احمدیت کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ میرے ایک ماموں تھے۔ چوہدری محمد عبد اللہ صاحب۔ ایک مرتبہ وہ سفر پر گئے اور رات کسی دوست کے ہاں ٹھہرے۔ ان کو عادت تھی کہ جب تک کوئی کتاب نہ پڑھ لیتے۔ انھیں نیند نہ آتی۔ سفر میں تو ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ دوست کو کہا۔ بھئی کوئی کتاب لاؤ۔ وہ ایک کتاب لائے جس کا پہلا اور آخری صفحہ پھٹا ہوا تھا آپ کو کتاب کچھ ایسی پسند آئی کہ دوست سے عاریتاً مانگ لی اور اپنے علاقے کے ایک مشہور عالم چوہدری فضل دین صاحبؓ کو دکھائی اور ان سے رائے طلب کی۔ بعد مطالعہ مولانا نے کہا کہ پہلے آپ بتائیں کہ آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تو اس کتاب کا مصنف مہدی آخر الزمان ہی ہو سکتا ہے۔ وہ کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" تھی۔ اس طرح نور کی یہ کرن ہمارے خاندان میں چمکی۔

ہلکے پھلکے انداز میں بات آگے بڑھنے لگی امیر صاحب کی تقریر بڑے شوق سے سنی جا رہی تھی عموماً ایسی تقاریر جس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام بکثرت استعمال ہو۔ آجکل کے نوجوانوں کو پسند نہیں آتی۔ لیکن چوہدری صاحب کی تقریر میں اتنا لطف آ رہا تھا۔ کہ دل چاہتا تھا کہ پھول جھڑتے ہی رہیں۔ ایک شفیق باپ اپنے بچوں کو زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کر رہا تھا۔ آجکل کی فیشن ایبل برائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ کہ ایک برائی سینما کی بھی ہے لوگ کہتے ہیں کہ اس سے ذہنی سکون پیدا ہوتا ہے لیکن میرا تجربہ یہ ہے کہ یہ ذہنی کھچاؤ کا باعث بنتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑنا کوئی مشکل نہیں۔ آپ نے اپنی مثال دی کہ میں بھی ابتداء میں سینما دیکھنے کا بہت شوقین تھا۔ لیکن جب حضور خلیفہ ثانیؓ نے اس سے منع فرمایا۔ تو میں نے تہیہ کیا کہ اب فلم نہ دیکھوں گا۔ اتفاقاً اسی وقت میرے دو دوست آ گئے اور فلم پر چلنے کو اصرار کرنے لگے۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر کار میں بٹھا لیا اور سمجھا کہ اب پنچھی قابو میں آ گیا ہے کار ابھی ہین ڈ

پہنچی تھی۔ اس کی رفتار آہستہ تھی۔ کھلی چھت والی کار تھی۔ جونہی ایک موڑ پر کار آہستہ ہوئی۔ میں نے چھلانگ دی۔ اور گھر آکر تیسری منزل پر چھپ گیا۔ وہ دن اور آج کا دن کبھی فلم کے قریب نہ گیا۔ عزم ہو تو ایسا ہو۔

امیر صاحب کی باتوں میں بے ساختگی تھی۔ درد تھا۔ تڑپ تھی۔ دل سے نکلی ہوئی آواز تھی جو دل ہی میں جا لگتی تھی۔ آپ نے ہمیں توجہ دلائی کہ ہم سب کچھ پڑھتے ہیں فزکس کیمسٹری۔ ریاضی۔ ڈرائنگ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا مجموعہ قرآن مجید بھی پڑھیں تو بہت فائدہ ہے۔ حضور خلیفہ ثانیؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآن مجید پوشیدہ علوم کی کنجی ہے۔

یہ دلچسپ محفل کافی دیر تک جاری رہی امیر صاحب جب ہمیں اپنی نصائح سے نواز چکے تو سلسلہ طعام شروع ہوا۔ اس دوران ہلکے پھلکے چٹکلے محفل کو زعفران زار بناتے رہے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک ہی گھر کے افراد جمع ہوں۔ دل میں ایک دوسرے کی محبت لہریں مار رہی تھی۔ واقعی ہم لوگ ایک ہی گھر کے تو ہیں۔ وہ گھر احمدیت کا گھر ہے۔ میں سوچ رہا تھا اس گھر کی بنیادیں کتنی مضبوط ہیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ کا نمائش

کے انعقاد کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کراچی کے شعبہ "تحریک جدید" کے ساتھ تعاون!

جماعت احمدیہ کراچی کے شعبہ تحریک جدید نے مورخہ ۱۰؍ ہجرت ۱۳۴۸ ہش تا ۱۸؍ ہجرت ۱۳۴۸ ہش ایک تصویری، علمی اور تبلیغی نمائش کا انتظام کیا۔ جس میں اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کی رفتار کو تصاویر اور چارٹس کے ذریعہ پیش کیا گیا۔

مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ کا تعاون۔

اس نمائش کے انتظامات کے سلسلہ میں مکرم ظفر احمد خاں صاحب جو کہ شعبہ نمائش مجلس ہذا کے انچارج ہیں کو دعوت دی گئی کہ وہ اس سلسلہ میں انتظامات کریں۔

مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ نے نمائش کی تیاری میں حسب ذیل طور پر تعاون کیا۔

(۱) نمائش کی تیاری کا کام دفتر خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ میں کیا گیا۔ نمائش کی تیاری ایک ہفتہ تک جاری رہی۔

(۲) مجلس ہذا کے ۱۵ اخدام نے اس دینی کام کی تکمیل کے لئے دن رات کام کیا۔

نمائش کے جملہ انتظامات مکرم ظفر احمد خاں صاحب جو کہ اس نمائش کے روح رواں ہیں۔ کی زیر نگرانی انجام پائے۔

مورخہ ۱۰؍ ہجرت کو نمائش کے افتتاح کے موقعہ پر مکرم امیر صاحب جماعت احمدیہ کراچی نے نمائش کے سلسلہ میں مجلس ہذا کے دو خدام مکرم ظفر احمد خاں صاحب اور مبشر احمد صاحب باجوہ کی خصوصی کوششوں کا خاص طور پر ذکر کیا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ جملہ کارکنان نمائش کو بہترین جزا دے۔ آمین۔ اور اس نمائش کو جماعت اور خاص طور پر غیر از جماعت افراد کے لئے بابرکت کرے۔

(یہ نمائش مورخہ ۱۸؍ ہجرت ۱۳۴۸ھش کو اختتام پذیر ہو چکی ہے) دعا فرمائیں اللہ تعالےٰ مجلس ہذا کو بہترین مساعی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(عبدالشکور اسلم۔ قائد مجلس، ڈرگ روڈ۔ کراچی)

جوانی کے ایام

نوجوانی کا زمانہ کام کا بہترین زمانہ ہوتا ہے اس زمانہ میں اپنی خداداد قوتوں سے جتنا بھی کام لینا چاہیں لیا جا سکتا ہے لیکن مبارک ہیں وہ جو اس وقت کو خدمتِ دین میں صرف کریں۔

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں:۔

"اپنی جوانی کے ایام کو اسلام کے احکام کے ماتحت گزارنے کی کوشش کرو۔ اپنے جوشوں سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ۔ بلکہ اپنے تمام قویٰ اور اپنی تمام طاقتوں کو برمحل استعمال کر کے ان سے صحیح رنگ میں کام لو.....

..... اگر تم اپنی طاقتوں سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھاؤ گے تو یاد رکھو جس طرح دریاؤں سے نہریں نکلتی ہیں اور بڑے بڑے علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہیں اسی طرح تم دنیا کو فائدہ پہنچاؤ گے"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱؍۴۲ مطبوعہ الفضل ۸؍۶؍۴۲)

حضور کے اس ارشاد کی روشنی میں خدام اپنے آپ کا محاسبہ کریں۔ کہ کہاں تک دین کی خدمت کے لئے کوشاں ہیں۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

قائدین خُدام الاحمدیہ کی اہم ذمہ داری

مرکز کو ہر ماہ باقاعدگی سے اپنی رپورٹ بھجوانا ہر قائد مجلس کی نہایت اہم ذمہ داری ہے ماہ احسان (جون) ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے رپورٹ (خدام و اطفال) جلد تیار کر کے مرکز کو بھجوائیں۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ)

ــــــــــ

خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو!
اس کے بدلہ میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

خدّام الاحمدیّہ کے کام کی اہمیّت

خدام الاحمدیہ کا کام نہایت اہم اور دوررس نتائج کا حامل ہے اس کی اہمیّت اور افادیت کے پیش نظر خدام کو پورے اخلاص سے خدمت کے لئے آگے آنا چاہیئے اس سلسلہ میں سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

"مجلس خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان کے کام کے اثرات صرف موجودہ زمانہ کے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ اگر وہ اس خوش دلی اور اخلاص کے ساتھ جاری رکھیں گے تو آئندہ نسلوں تک ان کے نیک اثرات جائیں گے اور جس طرح آج صحابہ کا ذکر آنے پر بے اختیار رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا فقرہ زبان سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح ان کا نام لیکر آئندہ آنیوالی نسلوں کا دل خوشی سے بھر جائے گا۔ اور وہ ان کی ترقی مدارج کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں گے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جس کام کو شروع کریں اسے استقلال سے کرتے چلے جائیں۔ جو شخص اس جدوجہد میں کھڑا ہو گا وہ گر جائیگا اور سلامت وہی رہے گا جو اپنے قدم کی تیزی میں کمی نہیں آنے دیگا۔" (الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء)

حضور کا یہ ارشاد سست مجالس کیلئے لمحۂ فکر ہے ایسی مجالس کو بہت توجہ کرنی چاہیئے۔ اور اپنے قدم کو تیز سے تیز کرنے کی کوشش کریں۔ (مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

سرورق

اس ماہ رسالہ "خالد" کا سرورق نئے بلاک پر طبع ہو رہا ہے۔ یہ بلاک مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور کے ایک خادم مکرم اعجاز احمد صاحب المحمود کی محنت کا نتیجہ ہے آپ نے بڑی محنت اور شوق سے اسے تیار کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(ادارہ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی سولھویں تربیتی کلاس

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی پندرہ روزہ سالانہ تربیتی کلاس کے لئے امسال ۱۱ تا ۲۵ وفا ھش ۱۳۴۸ (جولائی ۱۹۶۹ء) کی تاریخیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہ کلاس بشرطِ اجازت ایوانِ محمود میں منعقد ہوگی۔ اس کلاس کا نصاب قرآن کریم۔ حدیث۔ فقہ۔ قواعد عربی و عربی بول چال، مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت احمدیہ کے عقائد صنعت و حرفت کی عملی تربیت پر مشتمل ہوگا۔

مرکز کے دینی ماحول میں قیام۔ دینی تعلیم اور تربیت کا یہ ایک عمدہ موقعہ ہے۔ قائدین مجالس کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اپنی مجلس کا کم از کم ایک نمائندہ اس کلاس کے لئے ضرور بھجوائیں۔ کلاس میں شامل ہونیوالے خدام کے لئے ضروری ہے کہ وہ خواندہ ہوں یعنی کچھ پڑھ لکھ سکتے ہوں۔ جو طلباء امسال میٹرک کے امتحان کے بعد فارغ ہو رہے ہیں۔ انہیں بالخصوص زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کلاس میں شمولیت کے لئے بھجوایا جائے۔

احمدی والدین کی خدمت میں بھی گذارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس کلاس میں شمولیت کیلئے بھجوائیں۔ اور اس سلسلہ میں مقامی خدام الاحمدیہ کے قائد سے رابطہ قائم کریں۔ جملہ قائدین کی خدمت میں التماس ہے کہ جو خدام اس کلاس میں شامل ہونے کیلئے تیار ہوں ان کے اسماء اور کوائف سے ناظم اعلیٰ تربیتی کلاس کو جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

(ناظم اعلیٰ سالانہ تربیتی کلاس۔ خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ)

Only title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.